چار چہرے

اکرم الہ آبادی

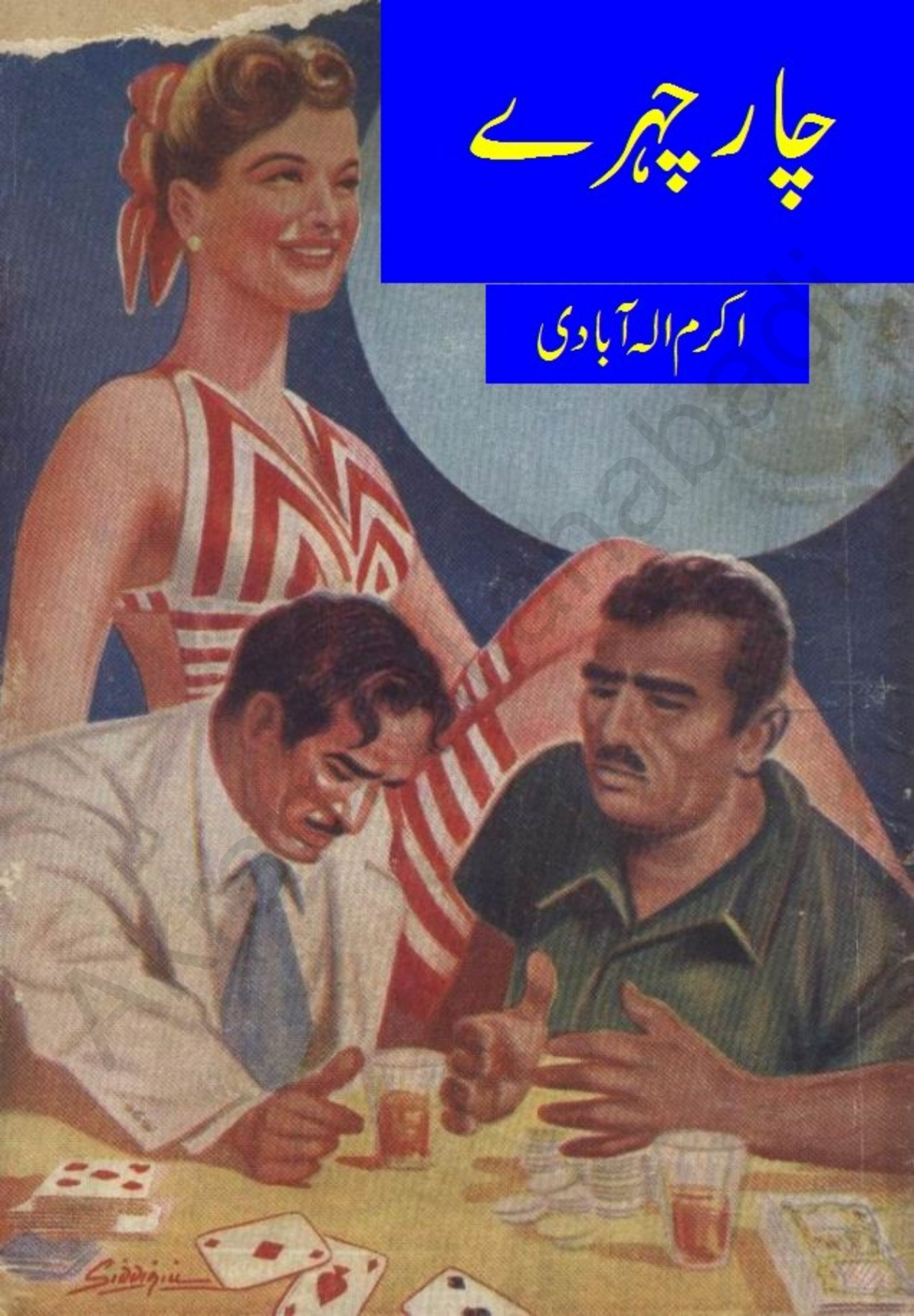

جاسوسی دائرہ سیریز

چار چہرے

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

عجیب شرط

کتے اس سیاہ سی چیز کو متحرک دیکھتے ہی بھونکنے لگا

اس نے ایک بار پلٹ کر فٹ پاتھ اور سڑک پر آوارہ پھرنے والے شہر کے ان ننگ دھڑنگ غیر مہذب باشندوں کی طرف اپنی تیز چمک دار نظروں سے دیکھا اور پھر دائیں بائیں کے سناٹے کا جائزہ لیتا ہوا سامنے والی دومنزلہ بڑی عمارت کے پچھلے تاری حصے میں گیرج شیڈ کے پیچھے بنے ہوئے ایک چھاٹے سے بند دروازے کے پاس پہنچ کر رک گیا۔

کتے اب تک بھونک رہے تھے، بلکہ ان میں سے کچھ تو مدِ مقابل کو خاموش دیکھ کر بھونکتے بھونکتے اور قریب آ گئے تھے۔ اس کے ہاتھ کی کرخت انگلیاں اندھیرے میں لہرائیں اور دروازے کی چوکھٹ پر اوپر کونے کی طرف لگا ہوا چھوٹا سا سیاہ بٹن اس کی ایک انگلی کے دباؤ سے نہ جانے کہاں اندر ایک باریک سی گھنٹی بجانے لگا۔

اس دومنزلہ پختہ نئی عمارت کے سامنے شہر کا بارونق اور جیتا جاگتا علاقہ تھا، لیکن عقبی میدانی حصہ رات کے سناٹے میں خوف ناک حد تک تاریک نظر آتا۔ وہ سیاہ سایہ اس اندھیرے سے مماثلت رکھتے ہوئے انسانی نظروں کو تو شاید کچھ دور سے بھی نظر نہ آتا، لیکن ان لاوارث آوارہ کتوں نے خدا جانے کون سی نظر پائی تھی کہ اندھیرے میں بھی ان سے چھپا نہ رہ سکا۔ وہ عقبی سڑک پر علاحدہ علاحدہ محاذ بنا کر بھونکتے رہے۔ ان میں زیادہ بہادر قسم کے کتے پینترے بدل بدل کر اپنے غم و غصے کا اظہار کر رہے تھے۔ کچھ ماقبل از جنگ کی ورزش بھی کرنے لگے تھے۔

اچانک دروازہ کھلا اور ایک زرد سے کھردرے چہرے نے جو فاختئی رنگ

کے گرم لبادے میں لپٹا ہوا تھا باہر جھانکا۔اس سیاہ سائے پر نظر پڑتے ہی وہ گھبرا کر اک دم پیچھے ہٹ گیا۔

''اتنی دیر؟'' سائے نے بگڑی ہوئی بھاری آواز میں پوچھا۔

''میں ہال کی طرف تھا۔'' زرد رو آدمی نے سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

اس سرتاپا سیاہ وجود نے کوئی جواب نہیں دیا۔وہ اندر داخل ہو کر ایک تقریباً پانچ فٹ چوڑی گیلری میں چلتا رہا۔اس کا اندازِ خرام اس کے دماغ پر چھائی ہوئی جھنجلاہٹ و غصے کو ظاہر کر رہا تھا۔اور دروازہ اندر سے بند کر کے پیچھے پیچھے آنے والا زرد رو آدمی کسی خوف زدہ چوہے کی طرح اس کے ہر قدم کی چاپ پر چونکتا ہوا سا اس کے پیچھے تھا۔

نیم روشن کاریڈور سے گزر کر وہ ایک بلند چھت والے چوکور کمرے میں پہنچ گئے۔یہاں دو آدمی ایک الماری کے پاس کھڑے کچھ گفتگو کر رہے تھے۔قدموں کی چاپ سن کر تو وہ چونکے ہی تھے، لیکن اس سیاہ سائے پر نظر پڑتے ہی وہ اس طرح سکڑ گئے جیسے موت کو سر پر دیکھ لیا ہو۔وہ سہم کر ایک طرف ہٹ گئے اور ادب سے ان کے سر جھک گئے۔سیاہ پوش نووارد نے ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔وہ اوپر کی طرف جانے والی سیڑھیوں پر بھاری بھاری قدم رکھنے لگا۔

''بہت غصے میں ہے؟'' زرد رو آدمی نے ان کے قریب سے گزرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''کیوں؟'' ان میں سے ایک نے دبی زبان سے پوچھا۔

''کون جانے؟'' وہ اپنے دونوں کندھے جھٹک کر بولا اور وہیں سے واپس لوٹ گیا۔

''معلوم کس کی شامت آئی ہے آج؟'' ان دونوں میں سے ایک نے ٹھنڈی

Akram Allahabadi

سانس کھینچ کر کہا اور پھر وہ الماری کھول کر کوئی چیز تلاش کرنے لگے۔

زینہ طے کرنے کے بعد اوپری گیلری میں جب وہ سقف گیر فلورسینٹ ٹیوب کی روشنی کے نیچے سے گزرنے لگا تو اس کے فیلٹ ہیٹ کے نیچے اس کا کسی افریقی نیگرو سے بھی زیادہ سیاہ چہرہ کافی خوف ناک نظر آرہا تھا۔ وہ ہاتھوں پر بھی سیاہ دستانے چڑھائے ہوئے تھا۔ اس کا لباس سر سے پیر تک سیاہ تھا۔ ایک سیاہ لمبا کوٹ، سیاہ پتلون، سیاہ جوتے، سیاہ موزے، سیاہ فیلٹ ہیٹ، اگر اس کے جسم پر کوئی سفیدی نظر آتی تو صرف اس کی بڑی بڑی آنکھوں کے سفید دیدے، جو دودھ کی طرح سفید اور کسی مردے کی کھلی آنکھوں کی طرح بھیانک تھے۔

اجالے میں اس کی شخصیت اندھیرے سے بھی زیادہ خوف ناک نظر آتی تھی۔

اسے گیلری میں دیکھ کر ایک پستہ قد گٹھیلے جسم کے آدمی نے، جس کی چندیا کے بال نہ ہونے کے برابر تھے، اور جس نے صرف ایک گرم پتلون اور قمیص پر گرم سویٹر چڑھا رکھا تھا، جلدی سے آگے بڑھ کر ایک طرف ایک بند کمرے کا دبیز پٹوں والا بھاری دروازہ کھول دیا۔ وہ پراسرار سیاہ وجود خاموشی سے اندر داخل ہو گیا۔

یہ کمرہ جس کے فرش پر سبز ایرانی قالین بچھی تھی اور جس کے وسط میں ایک شان دار صوفہ سیٹ تھا، اندر سے کافی شان دار اور آراستہ تھا۔ بلند چھت کے وسط میں ایک فولادی سلاخ کے ساتھ ایک بھاری فانوس لٹک رہا تھا جس کے روشن ہونے کی ضرورت تو شاید ہی کبھی پیش آتی ہو، لیکن وہ اس کمرے کی رونق میں ایک خوش نما اضافہ ضرور تھا۔

''جوزف کہاں ہے؟''

''نیچے 'وائی بی' میں۔'' اس نے جلدی سے جواب دیا۔

''تم جاؤ۔'' اس نے اشارہ کیا اور پستہ قد آدمی ادب سے سر جھکا کر باہر نکل

گیا۔سیاہ فام آدمی اپنی جگہ سے اٹھ کر کچھ دیر کمرے میں ٹہلتا رہا۔اب وہ یہاں بالکل اکیلا تھا۔پھر کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھ کر وہ اسی کمرے کے ایک بند دروازے کی طرف بڑھا۔اس دروازے کے پٹ نہ تھے، نہ ہی اسے کھولنے یا بند کرنے کا کوئی ہینڈل وغیرہ نظر آرہا تھا۔وہ ایک دیوار گیر فریم میں لکڑی کے کتھئی رنگ کے بورڈ کی طرح پیوست تھا۔باہر دروازے کے باہر ہی دیوار میں مثلث شیڈ والا برقی لیمپ نصب تھا۔سیاہ فام آدمی نے اس لیمپ کو داہنی طرف پورا ایک راؤنڈ گھما کر پھر اس کی اصلی حالت میں فایم کردیا۔اس کے اس عمل کے ساتھ ہی وہ کتھئی رنگ کا مسلم دروازہ اوپر کی طرف اٹھتا ہوا دیوار کے اوپری حصے میں غائب ہوگیا اور وہ اس خلا میں داخل ہوگیا۔ اندر بھی اسی طرح دیوار میں لیمپ نصب تھا جس پر وہی عمل کرنے سے دروازہ بند ہوگیا۔ ایک دوسرے دیوار گیر برقی سوئچ دبانے سے کمرہ روشن ہوگیا۔

یہ کمرہ بھی وآراستہ لیکن اس سے مختصر تھا۔اس کے ایک سرے پر ایک آبنوسی میز پر ایک ریڈیو سیٹ رکھا ہوا تھا۔اس کے علاوہ ایک غیر مانوس ساخت کی چھوٹی سی مشین اور تھی۔

اس کمرے میں صوفہ صرف ایک تھا اور اس کے سامنے دو گدے دار کرسیاں تھیں۔درمیان میں تپائی تھی اور صوفے کے دائیں سمت اس سے ملی ہوئی ایک ایک سیاہ شیشے کے ٹاپ والی چھوٹی میز تھی جس پر ایک ایش ٹرے، ایک گلاس دان اور ایک سگار کیس رکھا ہوا تھا اور اس کے پاس ہی ایک ماسٹر فون۔کیس میں سے ایک سگار نکال کر جلاتے ہوئے اس نے ماسٹر فون کا ۳ نمبر گھمایا۔

''ہری؟'' وہ بولا۔

''یس، باس۔'' ماسٹر فون سے گھبرائی ہوئی سی آواز آئی۔

''جوزف کو بلاؤ۔''

''او کے، باس۔''

اور بمشکل ایک منٹ بعد ہی جوزف کی بھاری آواز ماسٹر فون پر سنائی دی۔

''جوزف، باس!''

''جوزف باس؟'' سیاہ فام آدمی نے ایک خوف ناک مسکراہٹ کے ساتھ دہرایا۔

نو، باس۔ جوزف، آپ کا غلام۔'' ماسٹر فون پر جوزف کی آواز خوف سے کانپتی سنائی دی۔

''وہ آیا؟''

''یس، باس۔ اسے آئے ہوئے ایک گھنٹا ہو چکا ہے۔ جیکب، رشید اور شندے کے ساتھ کھیل رہا ہے۔''

''کھیل کا کیا رنگ ہے؟''

''اوسط۔''

''جیکب اور اس کے ساتھیوں سے کہو کہ ہارتے چلے جائیں۔''

''یعنی اس سے بازی ہاریں؟'' جوزف نے حیرت سے سوال کیا۔

''میں اپنا حکم دہرایا نہیں کرتا۔''

''میں سمجھا شاید میرے سننے میں بھول ہوئی۔ معاف کیجیے گا، باس۔''

''میں بہرے آدمی قطعی پسند نہیں کرتا۔ آئندہ اپنے کان کھلے رکھو۔''

''او کے، باس۔'' جوزف کا خوشامدانہ جواب ملا۔

''وہ اکیلا ہے یا اور کوئی بھی ہے؟''

''اس کی بیوی اس سے واپس چلنے کے لیے ضد کر رہی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ اس کے کھیل کی اتنی تعریف کرو کہ وہ آپے سے باہر ہو جائے۔

اسے بتاؤ کہ آج اس کا ستارہ عروج پر ہے۔ وہ ہر بازی جیتے گا۔''

''یس، باس۔''

''اور اس وقت اسے میرے مقابلے کے لیے اوپر بھیج دو، سمجھے؟''

''بالکل اسی طرح ہوگا، باس۔''

اور اس جواب کے ساتھ ہی ایک پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ سیاہ فام آدمی نے ماسٹر فون سے ہاتھ ہٹا لیا۔ وہ اپنے صوفے پر نیم دراز ہو کر سگار کے کش لینے لگا۔

اسی عمارت کے نچلے حصے کے ایک روشن اور وسیع ہال میں مختلف میزوں پر مہذب سوسائٹی کے بہت سے نام ور اور غیر معروف شریف زادے جن میں سے کسی کسی کے ساتھ ایک آدھ مغرب زدہ نیم عریاں شریف زادی بھی تھی، مختلف اقسام کے جوئے میں بازیاں جیت اور ہار رہے تھے۔

بعض ایسے بھی تھے جو شراب کے ہلکے نشے میں غلطاں کھیلنے والوں سے زبردستی کی ہم دردی کا اظہار کرتے ہوئے ریس کے دوڑتے گھوڑوں پر چیخ چیخ اٹھنے والے ریس بازوں کی طرح کبھی کسی کی بات پر قہقہے لگانے لگتے اور کسی کی جیت پر اچھل پڑتے۔ لکی راؤنڈ سے لے کر نارگیٹ لکی نمبر، رولنگ بالز، فلیش رمی اور چوسر تک کے کھیل میزوں پر جمے تھے۔

اور وہ جنھیں نشے کی زیادتی میں کھیل سے کوئی دل چسپی نہیں رہ گئی تھی، میزوں پر سر ٹیکے یا تو اونگھ رہے تھے یا پھر بے ربط الفاظ میں ایک دوسرے سے کسی نہ کسی مسئلے پر مصروفِ بحث تھے۔ ایک ٹیبل پر کتے کی خصلت زیرِ بحث تھی۔ ایک سینہ ٹھونک کر کہہ رہا تھا۔

''کتوں کو اغرقسی نے سمجھا ہے، تو میں نے سمجھا ہے۔''

''کیا سمجھا ہے تم نے... بچ؟'' دوسرے نے اپنی انگلی اس کی آنکھوں کے سامنے نچا کر لڑکھڑاتی آواز میں پوچھا۔

''اپنا سگا بھائی...اپنا باپ۔'' پہلے نے بڑے فخر سے کہا۔''خصم قوما کی ختے سے وفادار ذات بھینس کی بھی نہیں ہوسکتی۔''

''بھینس؟'' تیسرا حلق میں تھوک نگل کر نون غنہ کو کھینچتے ہوئے بولا۔''بھینس کی عزت میں اپنی ماں سے زیادہ کرتا ہوں۔خبردار جو اس کا نام لیا۔''

''تو تم قیا قر لوگی؟'' پہلے نے اپنے کرتے کی آدھی نظر نہ آنے والی آستین چڑھاتے ہوئے کہا۔

''تمہارے کتے کو مار ڈالوں گا۔''

''میں تمہاری بھینس کو مار ڈالوں گا، ہچ۔''

لیکن اس سے پہلے کہ وہ لڑ پڑتے، تیسرے نے کسی طرح ان میں بیچ بچاؤ کر دیا۔مگر کچھ ایسے دل پھینک بھی تھے جن کی بھوکی نظریں بڑی دیر سے بیچ والی بڑی میز کے نزدیک کھڑی ہوئی اس سڈول جسم والی خوب صورت عورت پر جمی ہوئی تھیں جس کا پرکشش حسن اور جس کا جذبات خیز شباب ان کے نشے کو اور بھڑکائے دے رہا تھا۔وہ تو اگر جوزف کی خوف ناک سرخ ڈورے والی آنکھیں نہ گھورتیں تو وہ شاید کوئی گستاخی بھی کر بیٹھتے۔

''یار، کون ہے یہ قتالہ عالم؟'' پاس والی میز سے ایک دبرے جسم کا بھدا سا آدمی دوسرے سے پوچھ ہی بیٹھا۔اس عوت کی گوری گوری پنڈلیوں پر اس کی نظر جیسے چپک کر رہ گئی تھی۔

''اسے نہیں جانتے ... ہی ہی...تو پھر کچھ بھی نہیں جانتے تم...ارے وہ موٹا سا آدمی ...وہ جو فلیش کھیل رہا ہے نا...وہ...جس کے پیچھے کھڑی ہے، ریلوے کا ڈی ٹی ایس ہے۔اس کا نام، اچھا سا ہے سالا، وہ ہاں...برنارڈو۔اور یہ اس کی بیوی ہے۔مگر کیا قسمت پائی ہے الو کے پٹھے نے۔میاں کسے ملتی ہیں ایسی بیویاں۔''تعریف کرتے کرتے ساتھی بہکنے لگا۔ اسی وقت شاید برنارڈو نے کوئی بڑی بازی ماری، کیوں کہ ایک طرف تو وہ خود اچھل پڑا تھا اور پھر میز کے ارد گرد کھڑے ہوئے دوسرے لوگ بھی جن میں جوزف بھی تھا۔

''واہ، کیا کھیلتے ہیں، صاحب، آپ بھی۔بس ہاتھ چوم لینے کو جی چاہتا ہے۔بڑے

بڑے کھلاڑی آئے لیکن پتے کے ایسے حاکم نہیں دیکھے۔'' جوزف نے برنانڈو کی تعریف شروع کردی جس کے ساتھ ہی اینگلوانڈین ریلوے آفیسر برنانڈو نے ایک بار فخر سے اپنا سر اونچا کر کے چاروں طرف دیکھا اور پھر اپنی بیوی کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

''اب واپس بھی چلو، ڈارلنگ۔ بس بہت ہو چکا۔'' اس کی خوب رو بیوی نے اسے سمجھانے کی ایک اور کوشش کی۔

''بس ایک دو بازی اور، پھر چلتے ہیں۔'' برنانڈو نے اسے دلاسا دیا۔

''یار یہ کھلاڑی سوا سیر ملا ہے۔ پرانا گھاگ معلوم ہوتا ہے۔'' جیکب نے جوزف کا اشارہ پا کر اتنی آہستہ آواز میں رشید سے کہا جسے برنانڈو بھی سن لے اور اس جملے کا برنانڈو پر کا طرخواہ ردعمل ہوا اور وہ پھول گیا۔ وہ مسلسل بازیاں جیت رہا تھا اور اب اس کے مقابل جیکب اور رشید کے پاس بہت کم پیسے رہ گئے تھے۔ دو سدری بازی میں وہ ان کو بھی ہار گئے۔

''بھئی، آپ کا مقابلہ ناممکن ہے۔'' جیکب خود ہی اپنی جیبیں جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''اپن نے تو ایکسپورٹ امپورٹ سے جتنا کمایا تھا سب ہار دیا۔''

''ایسا کیا۔ بس چار ہزار تو ہارے ہی تھے۔'' جوزف نے برنانڈو کی طرف داری کرتے ہوئے کہا۔

''اپنے لیے یہی بہت ہیں۔ اور پھر ان صاحب سے کھیلنے سے فائدہ بھی کیا۔ آج ان کا ستارہ عروج پر ہے، یہ ہر بازی جیت لیں گے۔'' جیکب نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

''اگر یہ بلیک مین سے بھی جیت جائیں تب کچھ بات ہے۔'' جوزف کے الفاظ نے برنانڈو کے کان کھڑے کر دیے۔

'بلیک مین؟''

''جی، اس سے آج تک کوئی نہیں جیتا۔ وہ تمام کھلاڑیوں کو ہرا دینے والے سب سے اچھے کھلاڑی سے اکیلے میں مقابلہ کرتا ہے۔ خدا جانے کس غضب کا استاد ہے اس کھیل کا۔ لوگوں نے آج تک اس کی شکل بھی نہیں دیکھی، لیکن اس کے نام سے کان سب پکڑتے ہیں۔'' شندے نے خود اس نامعلوم بلیک مین کا تعارف کرا دیا۔

Akram Allahabadi

''ارے بھائی، وہ بھی آج ان سے نہ جیت سکے گا۔ان کا تو ستارہ ہی آج چھایا ہوا معلوم ہوتا ہے۔'' جیک نے شکست خوردہ مفتوح کی طرح برنانڈو کی تعریف کی۔

''تو پھر اس سے بھی ہو جائیں دو دو ہاتھ۔کہاں ہے ہو؟ کون ہے؟'' برنانڈو نے شان میں آکر پوچھا۔

''وہ عام لوگوں کے سامنے نہیں آتا۔اس کے کھیلنے کی جگہ علاحدہ ہے اور وہ ایک وقت میں صرف ایک آدمی کے ساتھ کھیلتا ہے۔''

''میں کھیلوں گا اس سے،ضرور کھیلوں گا۔''

''ضد نہ کرو، ڈارلنگ۔اتنا ہی کافی ہے۔اب گھر چلو۔''

''نو،کیٹی ڈیئر۔آج اپنا اسٹار لکی ہے۔ہم اوور نائٹ لکھ پتی بنیں گے۔'' برنانڈو نے بے وقوفانہ انداز میں باری باری سب کی طرف پر غرور نظروں سے دیکھ کر اپنی بیوی سے کہا۔ گویا وہ ان سب کو بیک جنبش نظر اپنے سامنے کوئی حقیر ترین مخلوق سمجھنے لگا ہو، یا جیسے کسی لکھ پتی کے سامنے کھڑے ہوئے بھکاری۔

''پھر سوچ لیجیے، برنانڈو صاحب۔بلیک مین اپنی آخری چیز تک کھیل ڈالتا ہے۔ آپ کا داؤ چل گیا تو لاکھوں بھی ہار دے گا وہ۔لیکن اگر خدانہ کرے آپ ہارے تو...'' جوزف نے ناصحانہ انداز میں کہنا چاہا۔

''آج میں نے ایک بازی بھی نہیں ہاری ہے۔آج مجھے کوئی ہرا نہیں سکتا۔'' برنانڈو نے پورے وثوق کے ساتھ سینہ ٹھونک کر کہا۔

''آپ کی مرضی۔میں اسے خبر کرائے دیتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہال سے گزر کر ایک مختصر سے آفس نما کمرے میں آگیا۔ یہاں ایک میز کے گرد دو کرسیاں پڑی تھیں۔دیواروں پر کیلنڈر آویزاں تھے۔کمرے میں زیرو وولٹ کے مدھم بلب کی سی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔میز پر ماسٹر فون رکھا تھا۔

''ہیلو باس، جوزف ہیئر۔''

''یس جوزف۔'' ماسٹر فون کے باکس سے آواز سنائی دی۔

''سب ٹھیک ہوا۔وہ اب آپ کے ساتھ کھیلنے کو آمادہ ہے۔''

''اسے اوپر بھیج دو اور اس کی مسز کو نیچے ریکریشن روم میں بٹھاؤ۔لیکن برنا نڈو کی واپسی تک دلاسے دے کر اسے روکے رہنا، جائے نہیں۔''

''اوکے، باس۔''

پھر ادھر سے کوئی جواب نہ ملا۔جوزف اسی وقت باہر نکل کر ہال میں آ گیا۔اس نے مسز برنا نڈو کو ریکریشن روم میں بٹھا دیا جہاں ریڈیو سیٹ سے مدھم مدھم موسیقی کی لہریں نکل کر کمرے کی خاموش فضا میں رومانی کیفیتیں بکھیر رہی تھیں اسی وقت اوپر سے وہی پستہ قد آدمی آپہنچا۔وہ برنا نڈو کی رہنمائی کرنے لگا اور جوزف نیچے ہی ٹھہر گیا۔

''مجھے ایسی عورتوں سے نفرت ہے۔'' جوزف کو پشت سے کسی کے بڑبڑانے کی آواز سنائی دی۔

اس نے پلٹ کر دیکھا، وہ رشید تھا۔

''کیوں؟'' جوزف نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''بس یوں ہی۔نہ جانے کیوں میں ان عورتوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے شوہروں کے ساتھ جائے خانوں تک پہنچ جائیں۔کم سے کم ہندوستانی...''

''تم یہاں آنے کی بجائے کسی مسجد میں مؤذن ہو جاتے تو بہتر تھا۔'' جوزف کے لہجے میں اس وقت طنز کے ساتھ ساتھ بے زاری بھی تھی۔

''میں نیکی بدی کی بات نہیں کر رہا۔میں نے صرف عورتوں کا ذکر کیا ہے۔''

''یہ نہ کہو گے کیا مال ہے کم بخت۔'' جوزف نے یہ کہہ کر آہستہ سے اس کے بازو میں چٹکی لی۔

''تو آپ کی بھی رال ٹپکنے لگی۔''

''خبردار، اتنی جسارت بلیک مین برداشت نہیں کر سکتا۔تمہارے الفاظ اس تک نہ پہنچ جائیں۔''

''لیکن اسے عورتوں سے کیا دلچسپی؟'' رشید نے کسی قدر خوف سے متاثر لہجے میں

Akram Allahabadi

پوچھا۔

''اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا نہ ہی اس نے کبھی کسی کو کچھ جاننے کا موقع دیا۔ پھر اس کی فطرت پر کیا رائے زنی ہو سکتی ہے۔'' جوزف آہستہ آہستہ ہال کی طرف لوٹتے ہوئے بولا۔

''یہ بھی عجیب شخصیت ہے۔ ہم اسے سامنے دیکھ کر بھی نہیں پہچان سکتے اور پھر...؟'' رشید نے کچھ کہنا چاہا۔

''جس دن اس سے نگاہیں ملانے کی جرأت کرو گے وہ تمہارا آخری دن ہوگا۔'' جوزف نے اسے کسی دوست کی طرح سمجھایا۔ ''جانتے ہو وہ کس قدر بے رحم انسان ہے۔''

''مجھے معلوم ہے کہ بشیر کو بھی اسی جرم میں موت کی سزا دی گئی تھی۔''

''تو پھر گفتگو کے اس سلسلے کو یہیں ختم کر دو۔ وہ اس عورت میں دل چسپی لے رہا ہے۔ ہمیں اس بارے میں اب ایک لفظ منہ سے نہ نکالنا چاہیے۔''

اس جواب پر رشید خاموش ہو رہا۔ وہ دونوں پھر ہال میں آ گئے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

بیوی ہار گیا

اوپر، اس چھوٹے سے ڈائننگ روم میں جہاں خوف ناک بلیک مین کی خفیہ نشست کا چوکور دروازہ تھا، برنانڈو، اس خطرناک ترین انسان کے سامنے صوفے پر بیٹھا تاش کی بازی پر اپنے قسمت کے داؤ لگا رہا تھا، جس کے نام سے ہی جوزف اور جیکب جیسے تہلکہ خیز بدمعاشوں کے کلیجے کانپ جاتے تھے۔ بلیک مین کی لغت میں رحم کے نام کا کوئی لفظ نہ تھا اور اسی لیے کسی کو اس سے کسی رعایت کی توقع ہی نہیں رہتی۔ اور یہ بھی بہت کم لوگوں کو معلوم تھا کہ ایک ایسی طاقت کوئی بلیک مین بھی ہے جو شہر کے اس عظی جوئے خانے کی ایک ایک ساعت پر حکومت کرتی ہے کہاں سے لاکھوں کے چکر روز چل جاتے تھے۔ کوئی تقدیر کو روتا نکلتا اور کوئی تقدیر کے گن گاتا۔ لیکن سب سے حیرت ناک بات یہ تھی کہ شہر کی لاکھوں نفوس پر مشتمل آبادی کو آج تک یہ خبر بھی نہ تھی کہ کہیں قانون کے دائرے میں ہی کوئی ایسا مقام بھی ہے جہاں ایک سرے سے پیر تک سیاہ انسان کی فرعونیت کے سائے میں لوگوں کی تقدیریں بدلتی رہتی ہیں۔ وہ لوگ جو یہاں تک پہنچے تھے، وہ خود بھی نہ جانتے تھے کہ وہ کہاں ہیں اور کس راستے سے یہاں تک آئے ہیں۔ اس مقام کے تمام اصول نرالے تھے۔

سوائے بلیک مین کے خاص آدمیوں کے کوئی آج تک اس عمارت میں کھلی آنکھیں لیے داخل نہیں ہوا تھا۔ وہ سیاہ پٹی اسی وقت کھولی جاتی جب وہ اس ہال میں پہنچ جاتا۔ اپنی قسمت، اپنے مستقبل سے ناواقف جیت کے نشے میں سرشار برنانڈو اپنے مد مقابل کو بھی کوئی معمولی آدمی، کوئی عام کھلاڑی ہی سمجھ کر کھیل رہا تھا۔ اسے اب پوری طرح یقین تھا کہ آج اس کا ستارہ عروج پر ہے۔ کوئی اسے نیچا نہیں دکھا سکتا۔ سامنے میز

پر رکھے ہوئے نوٹوں کے بنڈل بتا رہے تھے کہ اب تک وہ اس نامعلوم سیاہ آدمی سے کئی ہزار جیت چکا ہے۔

''آج میں میں کسی افلاطون سے بھی نہیں ہار سکتا۔'' برنانڈو بازی شو کرتا ہوا خوشی سے پھولی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔

''معلوم تو کچھ ایسا ہی ہوتا ہے، خیر۔''

''سیاہ فام آدمی نے یہ کہہ کر لاپرواہی سے دوسری بازی شروع کر دی۔ بیٹنگ چلنے لگی۔

''ہزار۔''

''دو ہزار۔''

''چار ہزار۔''

''دس ہزار۔''

''بیس ہزار۔''

''چالیس ہزار۔''

ایک لمحے کے لیے برنانڈو کسی سوچ میں پڑ گیا۔

''ایسا موقع پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔'' سیاہ رو آدمی اپنے سفید سفید دیدوں سے اس کے چہرے کی کیفیت کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

''اسی ہزار۔'' برنانڈو نے اپنے پتوں پر نظر ثانی کر کے کہا۔

''ایک لاکھ۔'' سیاہ فام آدمی کے بھیانک کالے چہرے، مسکراتے ہونٹوں کے درمیان سفید سفید دانت چمکنے لگے۔

''ڈیڑھ۔''

''دو۔''

Akram Allahabadi

''میری سب جائداد۔''

''اونہو نہہ۔وہ یہاں موجود نہیں ہے نہ اس کے کاغذات۔''

''تو پھر ور کیا رہ گیا ہے؟''

''قسمت ہے یا اس پر یا اس پار۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''کوروپانڈو کی بازی یاد ہے؟''

''دروپدی؟'' برنانڈو چونک پڑا۔

''کیا ہوا، کھیل ہی تو ہے۔''

''یہ ناممکن ہے، بکواس ہے۔بھلا بیوی اور بازی پر؟''

''آج تمہارا ستارہ عروج پر ہے۔اس قدر تو جنم میں نہ کما سکو گے۔''

''ستارہ؟'' برنانڈو بڑبڑایا۔''چلو یہ بھی سہی۔''

وہ بہہ گیا، لیکن ساتھ ہی اسے اس خیال سے جھرجھری سی آ گئی کہ کہیں خدا نخواستہ یہ تماشا حقیقت میں نہ بدل جائے۔ویسے اسے یقین اب بھی نہیں آ رہا تھا کہ اس کا مدِ مقابل اس بارے میں قطعی سنجیدہ ہو گا ہو سکتا ہے کہ وہ اس کا دم خم دیکھ رہا ہو۔

''تین لاکھ۔'' سیاہ رو نے مسکرا کر کہا۔

''تو پھر شو۔''

اور برنانڈو کے رگوں ریشے میں بجلی سی دوڑ گئی جب اس نے دیکھا کہ سیاہ فام آدمی کے ہاتھ میں تینوں اکے تھے جب کہ برنانڈو کے پاس تینوں بادشاہ تھے۔اس کا سر چکرا گیا۔وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا۔

''سکندر نے ہارے ہوئے راجہ پورس نے ساتھ بھی دوستانہ سلوک کیا تھا۔''

سیاہ فام آدمی نے نرم لہجے میں کہنا شروع کیا۔اس کے اس جملے سے خوشی کی ایک لہر

Akram Allahabadi

برنانڈو کے چہرے پر دوڑی۔

''لیکن میں تمام چیزیں نہیں لوٹاؤں گا۔ان میں سے ایک کوئی پسند کی چیز میری ہی رہے گی۔''اس نے باقی کا جملہ مکمل کر دیا۔

''یعنی؟''

''بتاتا ہوں۔''یہ کہہ کر اس نے میز کے پہلو میں لگا ہوا ایک بٹن دبا دیا، جس کے ساتھ ہی کمرے کا دروازہ کھل گیا اور پردہ ہٹا کر اندر داخل ہونے والا وہی پستہ قد آدمی تھا جس نے برنانڈو کی بیوی کو ایک بازو سے تھام رکھا تھا۔

''تم یہاں بیٹھے ہو اور میں اتنی دیر سے وہاں انتظار کر رہی ہوں۔''وہ برنانڈو کی طرف بڑھتی ہوئی شکایتی لہجے میں بولی۔لیکن وہ خلاف توقع اس کو سر جھکا دیکھ کر چونک پڑی۔

''کیا ہار گئے؟''اس نے قریب آ کر پوچھا۔

''تم چاہو تو میری بیوی سے آخری بار مل سکتے ہو؟''سیاہ فام آدمی کی چبھتی ہوئی آواز برنانڈو کا کلیجا پھاڑتی سنائی دی۔

''کس کی بیوی؟''مسز برنانڈو کا چہرہ غصے سے اک دم سرخ ہو گیا۔

''میری۔تمہارے شوہر نے تمہیں بھی داؤ پر لگا دیا تھا اور وہ ہار گئے۔''سیاہ رو آدمی بڑے نرم اور خلیق لہجے میں بولا۔

''برنانڈو، میں کیا سن رہی ہوں؟''وہ تقریباً چیخ اٹھی، لیکن برنانڈو کا جھکا ہوا سر نہ اٹھا۔

''تمہیں کیا حق تھا کہ کسی کی بیوی کو تم جوئے میں کھیلو؟''وہ غصے میں بھر کر سیاہ رو آدمی کی طرف پلٹ پڑی۔

''اس کا جواب تمہارا شوہر دے گا۔اور پھر یہ کوئی نئی بات نہیں۔اب سے

ہزروں سال پہلے کورو بھی وروبدی کو ہار چکے تھے۔''

''برنا نڈو، سور، پاجی، حرامی۔'' وہ بے تحاشا برنا نڈو پر برس پڑی۔اس نے دونوں ہاتھوں سے اسے طمانچے مارنا شروع کر دیے۔

''مم... میں سب کچھ صرف مذاق سمجھا تھا۔'' برنا نڈو کے حلق سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔

''نہ وہ مذاق تھا نہ ہی یہ مذاق ہے۔بلیک مین اپنے قریب ترین آدمیوں سے بھی مذاق پسند نہیں کرتا۔'' اچانک سیاہ فام آدمی کا لہجہ سخت اور ڈراؤنا ہو گیا۔

''بلیک مین۔'' مسز برنا نڈو خوف زدہ ہرنی کی طرح اچھل پڑی۔

''ہاں، اور اب سے تم میری ملکیت ہے۔'' اس نے یہ کہہ کر مضبوطی سے مسز برنا نڈو کا ہاتھ تھام لیا۔

''نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔'' برنا نڈو اچانک جوش میں آ گیا۔

''میرا بزنس قطعی ایمان داری اور ایفائے عہد پر چلتا ہے، برنا نڈو۔میں قول سے پھر جانے والے کو بڑی عبرت ناک سزا دیتا ہوں۔'' بلیک مین کا لہجہ اور سخت ہوتا گیا۔

''ایسی کی تیسی تمہارے بزنس کی اور تمہاری۔'' یہ کہہ کر وہ بلیک مین پر بے تحاشا ٹوٹ پڑا۔لیکن دوسرے لمحے ہی وہ زمین پر تھا اور بلیک مین اپنا گھونسا دوبارہ تیار کر رہا تھا کہ برنا نڈو سر جھٹک کر سنبھلتا ہوا جوش و غضب میں منہ سے اول فول گالیاں بکتا پھر سیاہ فام آدمی پر جھپٹا لیکن اس بار وہ پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا اور برنا نڈو جھونک میں اوندھا فرش پر جا گرا۔اسی وقت سیاہ فام آدمی نے میز سے منسلک بٹن دبا دیا جس کے فوراً ہی بعد دروازہ کھلا اور ریوالور بدست دو تن درست آدمی اندر گھس آئے۔

''میں تمہاری بوٹیاں نوچ ڈالوں گا۔'' برنا نڈو نے اٹھنے کی کوشش کرتے

ہوئے چیخ کر کہا۔

لیکن اس سے پہلے ہی وہ دونوں آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔مسز برنا نڈو نے کئی بار تڑپ کر بلیک مین کی گرفت سے نکلنا چاہا، لیکن پنجہ فولاد سے رہائی ممکن نہ ہوئی۔اس کی دردناک چیخیں بھی اس چہار دیواری سے ٹکرا کر رہ گئیں۔

☆☆☆☆☆☆

''بالے صاحب کی آمد آمد ہے۔''

سپرنٹنڈنٹ خان ن اپنے آفس کے دروازے کے باہر سنائی دینے والی بالے کی آواز پر سر اٹھا کر دیکھا اور پھر مسکرا کر سر جھکا لیا۔

''کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟'' یہ کہتا ہوا سارجنٹ بالے اندر گھس آیا۔

''میں نے ڈی سی پی سے سفارش کر دی ہے کہ تمہیں چلڈرنز ہوم میں ڈال دیا جائے۔'' خان اس کی طرح دیکھے بغیر بولا۔

''آپ کا زندگی بھر ممنون و مغفور... لاحول ولاقوۃ، مشکور رہوں گا۔اگر وہس بچوں کے ساتھ ایک عدد محترمہ...''

لیکن ٹیلی فون کی گھنٹی نے اس کا جملہ منقطع کر دیا۔

''ہیلو۔'' بالے نے ہی رسیور اٹھا لیا۔

''مم میں...مے...'' دوسری طرف سے کسی نے کہنا چاہا۔

''آپ کیا سلاٹر ہاؤس سے بول رہے ہیں؟'' بالے نے دوسری کرسی پر پیر پھیلاتے ہوئے منہ بنا کر کہا۔

''کیا بدتمیزی ہے، نہ جانے کون ہوگا۔تم سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکنے لگتے ہو۔'' خان نے اس کے ہاتھ سے رسیور چھین لیا۔

Akram Allahabadi

''تحقیق کہ آپ نے گزشتہ شب کسی گڈریے کا خواب دیکھا ہوگا۔'' بال چھت کو گھورتے ہوئے بولا۔

'' بکو مت۔'' خان جھنجلا گیا۔ ''اوہ، نہیں۔ آپ سے نہیں۔ میں اپنے اسسٹنٹ سے کہہ رہا تھا۔'' خان نے ماؤتھ پیس پر نرم وخلیق لہجے میں کہا۔

''کیا بولنے والے کی جنس تبدیل ہوگئی ہے۔ مجھے تو موٹی آواز سنائی دی تھی؟''

''شٹ اپ۔'' خان نے اسے ڈانٹا۔

''اف فوہ.. آپ نہیں۔ میں اپنے اسسٹنٹ کو ڈانٹ رہا ہوں۔'' خان نے دوسری طرف اس شٹ اپ سے گھبرا جانے والے کو اطمینان دلایا اور پھر بالے کو گھونسا دکھا کر گھورنے لگا۔

جواب میں بالے نے کچھ ایسی شکل بنائی کہ خان کو ہنسی آگئی۔ دوسری طرف گفتگو کرنے والا بہت محتاط اور آہستہ آہستہ آواز میں بول رہا تھا۔ اس کی آواز سرگوشی کرتی سنائی دے رہی تھی۔

''ضرور کوئی نئی مصیبت ہے۔'' بالے نے اپنی کیپ سنبھالتے ہوئے کہا۔ جس پر خان نے جھلا کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بالے نے بھی اشارے میں ہی جواب دیا کہ وہ نہیں بیٹھے گا۔

''گدھے، میں تمہارا بھیجا پلپلا کردوں گا۔'' خان نے ریسیور ہٹا کر بالے پر بگڑ گیا۔

''جناب، میں آپ سے مدد طلب کر رہا ہوں اور آپ ایک ذمے دار افسر ہوتے ہوئے مجھے گالیاں دے رہے ہیں۔'' دوسری طرف سے مضمحل سی آواز سنائی دی۔

Akram Allahabadi

''معاف کیجیے گا، یہ پھر وہی گدھا ہے، میرا اسسٹنٹ۔''

''گدھا مکرر ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اگر دو گدھے ہوں تو ایک خچر اور دو خچر ہوں تو ایک گھوڑا بن جایا کرتا ہے۔'' بالے نے شانِ بے نیازی سے اپنی بے تکی جاری رکھی۔

''تم دفع ہو جاؤ یہاں سے، سور۔ اب کی بار خان نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

''اندھا کیا چاہے، دو آنکھیں۔ کار بھی لے جاؤں؟'' بالے دروازے کی طرف کھسکتے ہوئے بولا۔

''آج ضرور تمہاری شامت آئی ہے۔''

لیکن باہر جانے کی بجائے وہ چپ چاپ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کان رسیور کان سے لگا کر پھر اسے گھورنے لگا۔

''آپ یقین مانیے، مجھے سانپ سونگھ گیا ہے۔''

خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ فون کرنے والے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''دیکھیے، میری زندگی خطرے میں ہے۔ اگر کسی کو یہ بھی خبر ہو گئی کہ میں نے آپ کو فون کیا ہے تو میں شاید چند لمحے بھی نہ جی سکوں گا۔''

''آخر کچھ تو بتایے؟ بات کیا ہے؟'' خان نے نرمی سے پوچھا۔

''مجھے افسوس محسوس ہو رہا ہے۔ اس فون پر کچھ نہ بتا سکوں گا، نہ ہی آپ تک آ سکتا ہوں۔ ورنہ شاید راستے میں ہی ختم کر دیا جاؤں۔'' اس آواز نے جواب کسی نامعلوم خوف سے تقریباً کانپ رہی تھی، سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

''آپ کا بنگلا گرین کمپاؤنڈ میں ہی ہے نا، وہ ریکس سنیما کے سامنے؟''

''جی ہاں۔''

''خیر میں آتا ہوں۔ آپ اپنی جگہ موجود رہیے۔''

''لیکن دیکھیے، آپ کے سوا کسی کو اس کی خبر نہ ہو کہ آپ یہیں آ رہے ہیں یا میں نے آپ کو فون کیا ہے۔''

''آپ زیادہ خوف زدہ ہو گئے ہیں شاید؟ بہر حال میں اپنی ذمے داری کو سمجھتا ہوں۔''

خان نے یہ کہہ کر رسیور رکھ دیا اور بالے کی طرف خشمگیں نظروں سے دیکھنے لگا۔

''اب آپ مجھے خوف زدہ کر رہے ہیں۔اس کا بدلہ مجھ بے قصور سے۔'' یہ کہتے ہوئے بالے نے ایسی شکل بنالی کہ جیسے اب رو پڑنا چاہتا ہو۔

''تھوک کے آنسو لگا لو۔'' خان یہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔''میں سمجھتا تھا عمر اور تجربے کے ساتھ تم میں سنجیدگی آئے گی، لیکن تم اور بچے بنتے جا رہے ہو۔''

''ہر انسان بچہ پیدا ہوا ہے اور بچہ مرے گا، ویسے آپ بڑے بوڑھے ہیں جو چاہیں کہہ لیجیے۔''

''میرے ساتھ آؤ۔''

''آج گڈ فرائیڈے ہے۔ مہذب لوگ آج کے دن کوئی کام نہیں کیا کرتے۔''

''میں تمہاری تہذیب کی دھول جھاڑ سکتا ہوں۔'' خان اسے آفس سے باہر دھکیلتے ہوئے بولا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

کتوں کی لاشیں

آفس میں آج گڈ فرائی ڈے کی تعطیل کی وجہ سے صرف جزوی کام ہو رہا تھا۔ ویسے اس محکمے کی تقدیر میں شاید سال کی ۳۶۵ دنوں میں کوئی بھی دن ایسا نہ تھا جس میں یہ بالکل خاموش رہ سکے۔ نہ زندگی کی ہلچل، ایک دن ایک گھنٹہ ایک منٹ یا ایک سیکنڈ کے لیے رک سکتی تھی اور نہ اس سے منسلک۔ قدرتی یا غیر قدرتی واقعات لاکھوں کی آبادی کے اس عظیم اور ترقی یافتہ شہر میں کہیں نہ کہیں ہر وقت کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا۔ اور اسی ہنگامہ آرائی کو زندگی کی دھڑکنیں سے تعبیر کیا جاتا۔ نہ فطرتِ انسانی کو قرار نہ قدرت کے ان دیکھے ہاتھوں کو۔

خان کے لیے تو نہ دن کے اوقات اپنے تھے نہ رات کے۔ کب کیا ہو جائے اور کیا کرنا پڑے یہ جاننا تو اس کے بس کی بات نہ تھی، لیکن اسے ہر قسم کے حالات کے مقابلے کے لیے ہر وقت تیار رہنا پڑتا تھا۔ گڈ فرائی ڈے کی تعطیل کے دن اپنی فرصت کا خون بالے کے لیے اتنا ہی گراں بار تھا جیسے کسی بھوکے کو روٹی دے کر چھین لی جائے۔ کیسے کیسے پروگرام تھے آج شہر کے شان دار ہوٹلوں اور تفریح گاہوں میں۔ مغرب زدہ ہندوستانی سوسائٹی تو اس مہذب تہوار کو انگریزوں سے بھی زیادہ شان سے مناتی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ ان سے زیادہ مہذب تھی۔

''بیٹے سارجنٹ، اس روئے زمین پر کوئی تم سے بھی زیادہ بدنصیب ہوگا اس موسم میں؟' بالے خان کی کار میں بیٹھے بیٹھے ٹھنڈی سانس کھینچ کر بولا۔

''کون سا غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے تم پر؟'' خان نے ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھالے ہوئے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''اسے مال پوڑہ کہتے ہیں۔'' بالے کا موڈ بدستور سنجیدہ رہا۔

''کیا مطلب؟''

''ست پڑہ کا بدا ور خورد، جنوبی ہند کی سار جنتی اولاد۔'' بالے جلے ہوئے لہجے میں بے تکی ہانکنے لگا۔

''بہت اداس معلوم ہو رہے ہو۔''

''ہائے، شاعری کرنے کو جی چاہتا ہے، آپ سنیں گے؟''

''بک ڈالو۔''

''وہ جو کہا ہے بھائی عبدالرفو تم نے حیف ایسی زندگی پر ہم کہاں اور تم کہاں۔ یعنی کہ وہ مونجنی میں اور بالے صاحب کا بیڑہ غرق۔''

''کوئی دعوت تھی کیا مونجنی میں؟''

''ایسی ویسی... مگر آپ کو کیا۔ آپ ٹھہرے خشکے۔'' بالے نے پھر ٹھنڈی سانس بھری۔

''الو، شامت آئی ہے کیا؟'' خان نے دوسرا ہاتھ سے اس کی گردن دبوچ لی۔

''آپ پہلے لغت دیکھیے، اس کے معنی جنتی کے ہوتے ہیں۔'' بالے نے گردن چھڑانے کی کوشش کی۔

''کس سے وعدہ کیا ہے؟'' خان نے اس کی گرد چھوڑ کر آہستہ سے پوچھا۔ خان کا یہ انداز گفتگو بالے کے لیے قطعی غیر متوقع تھا، ورنہ عام طور پر تو وہ بالے کے اس قسم کے پروگراموں کے ذکر پر ہی جھنجلا جایا کرتا تھا۔

''ہائیں، یہ آج الٹی گنگا کیسے بہنے لگی؟ آپ تو...''

''مجھے بھی جانا ہے مونجنی۔'' خان کے الفاظ بالے کے کانوں میں سیسہ گھولتے سنائی دیے۔

Akram Allahabadi

''آپ ...آپ کیا کریں گے وہاں جا کر؟ سب بوڑھیاں اینٹی فلا جوش۔''

بالے نے روندھے ہوئے گلے سے کہا۔

''نہیں ڈیئر ،تم وہاں دوسروں کو دیکھو گے اور میں تمہیں۔''

''لاحول ولاقوۃ، یہ کوئی بات ہوئی۔''

''والنٹاس کا ورائٹی پروگرام ہے نا؟''

''تو کیا آپ کو بھی دعوت...؟''

''تمہیں بھی یہ دعوت میرے طفیل میں ملی ہے۔''

''اکدم غلط۔مجھے خود منیجر نے دعوت دی تھی فون پر۔''

''میرے ہی کہنے سے۔سوچا اکیلے کچھ مزا نہیں آئے گا۔''

''غلام آپ کا ملا دوپیازہ نہیں ہے۔''

''بہر حال غلام ہے۔''

''پروٹیسٹ۔میں کھڑکی سے باہر کود جاؤں گا۔''

''بسم اللہ ، شاید تمہاری حرام موت ہی دوسری دنیا میں تمہاری بخشش کرا دے۔''

''گاڑی بہت تیز ہے۔''

''اور دھیمی کر دوں۔''

''آپ کو کہیں پہنچنا بھی تو ہے جلدی۔''

''اکیلے بھی پہنچ سکتا ہوں۔''

''میں وصیت نامہ کرانے کے بعد اس پر غور کروں گا۔''

''بے غیرت کو سو حیلے۔''

''آپ جوش دلا رہے ہیں۔''

Akram Allahabadi

''کیا اب دروازہ بھی میں کھول دوں کارکا؟''

''آپ کو ذرا بھی رحم نہ آئے گا؟''

قطعی نہیں۔''

''میں نے آپ کو اس موڈ میں کبھی نہیں دیکھا۔''

''اب دیکھ لو۔''

''ارے وہ اونٹ۔''

بالے نے کفگو کا رخ ہی بدل دینے لے لیے ایک اتفاق کا سہارا پا کر سوال گندم جواب چنا والا مضمون پیش کر دیا۔ سامنے سے آنے والا لانگ فیلو تھا۔ وہ دراز قد جرنلسٹ جو سینکڑوں آدمیوں کے مجمع میں بھی اپنی اونچی اٹھی ہوئی گردن کی وجہ سے منفرد نظر آتا، ایک قطعی لاابالی قسم کا، لیکن بے حد پر خلوص انسان۔ وہ نہ جانے کہاں سے بھٹکتا ہوا چلا آرہا تھا۔ چمڑے کا کتھئی بیگ بغل میں دبائے لمبے لمبے ڈگ بھرا ہوا۔ خان نے اسے دیکھ کر مسکرا کر گاڑی روک لی۔

''ابے بھائی شتر مرغ۔'' بالے نے کھڑکی سے سر نکال کر اسے آواز دی۔ وہ اپنے انہماک سے چونک پڑا۔

''آں... اوہ... آپ...'' اس کے قدم کار کی طرف بڑھنے لگے۔

''رانی باغ سے کیوں بھاگ نکلے؟'' بالے کا دوسرا حملہ اس پر ہوا۔

''تمہاری ہی تلاش میں نکلا ہوں۔ اکیلے جی نہیں لگتا تھا۔''

اس کے اس برجستہ جواب پر خاں کا قہقہہ چھوٹ گیا، لیکن بالے کی ڈھٹائی برقرار رہی۔

''باتیں بھی کسی اونٹ کی طرح کرتے ہو۔'' وہ جھینپ مٹانے کے لیے جھوٹی ہنسی کے ساتھ بولا۔

''کہاں سے آرہے ہو؟'' خان نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔

''بس یوں ہی، ذرا ایک سنسنی خیز قسم کی بات تھی۔''

''سنسنی خیز؟'' بالے چونکا۔

''کوئی مرڈر وغیرہ ہوا کیا؟'' خان نے اس سے سنجیدگی سے پوچھا۔ وہ ان دنوں اخبار 'دی نیشن' کا کرائم رپورٹر تھا اور اس لیے اس کی تمام تر دلچسپیاں اسی قسم کے حالات کی طرف مبذول رہتی تھیں۔ اپنے کام کی حد تک وہ نہ صرف کافی چست واقع ہوا تھا بلکہ اس کی ذہنی اپج بھی ایسے معاملات میں کافی کارآمد ثابت ہوتی۔ بعض اوقات اندازوں پر مرتب کردہ اس کی رپورٹس بڑی حد تک درست ثابت ہو جاتیں اور اسی وجہ سے 'دی نیشن' میں اس نے بہت جلد اپنے لیے ایک باعزت مقام حاصل کرلیا تھا۔ اسے اپنے کام کے لیے ڈسپلن اور اوقات کی آزادی مل گئی تھی۔ خان سے اس کی پہلی ملاقات پالا کے غار والے کیس میں ہوئی تھی اور تب ہی سے کان اسے بہت پسند کرتا تھا۔ بالے سے تو اس کی بے تکلفی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ کبھی کبھی وہ کسی بات پر آپس میں لڑ بھی بیٹھتے اور خان کو ثالثی میں اپنا وقت خراب کرنا پڑتا۔

''مرڈر ہوئے اور بیک وقت چھ سات۔''

''چھ سات؟'' خان بھی اس جواب پر چونک پڑا۔ اسے تو ابھی تک ایک کی بھی اطلاع نہیں ملی تھی۔ وہ سوچنے لگا کیا وائرلیس یونٹس بھی مر گئیں کہیں جا کر۔

''مگرکتوں کے۔'' لانگ فیلو نے ایک لمحے کی سنسنی کے بعد اپنا جملہ مکمل کردیا۔

''لاحول ولاقوۃ۔ یار تم آدمی ہو یا اخروٹ۔''

سنسنی خیزی کی ۱۱۰ ڈگری پر پہنچا ہوا بالے کے دماغ کا پارہ ایک دم زیرو پر آ گیا۔

''لیکن کیا یہ سوچنے کی بات نہیں کہ ایک ہی جگہ ایک ساتھ چھ سات کتوں کی

لاشیں پڑی ہوئی ہیں اور میونسپلٹی والے خود یہ پوچھ رہے ہیں کہ انھیں کس نے مارا ہے۔ محلے کا ایک آدمی کہتا کہ وہ رات کو کافی شور مچائے ہوئے تھے۔'' لانگ فیلو نے اپنی مخصوص عادت کے مطابق دبی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''خدا قسم۔ میں تمہارے اخبار کا مالک ہوتو تو تمہیں اس وقت ضرور آگرے یا بریلی کا ٹکٹ دلوا دیتا۔'' بالے نے جل کر اس پر فقرہ چست کیا۔

''خدا گنجے کو ناخن ہی نہیں دیتا ہے۔'' لانگ فیلو نے شانِ بے نیازی کے ساتھ جواب دیا۔ یہ جواب کافی مختصر تھا، حالاں کہ لانگ فیلو کی عادت تھی کہ بولے پر آتا تو اس کے جملے کبھی مختصر نہیں ہوتے تھے۔

''او بھئی لمبوش، مجھے غصہ آرہا ہے۔''

''اپنی جیب میں رکھو۔'' لانگ فیلو یہ کہہ کر پھر خان کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ''اور صاحب، سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ یہ لاشیں ایک ایسی عمارت کے پیچھے پڑی ملی ہیں جہاں کتوں کو ہڈی ملنے کی بھی کوئی توقع نہیں ہوسکتی اور نہ ہی اس مقام کو آوارہ گرد کتوں کا کوئی تفریحی پارک کہا جاسکتا ہے۔ ذرا سوچیے تو وہ آخر وہاں جا کر کیوں مرنا پسند کریں گے۔ کیا آپ کے خیال میں کتے خودکشی کرسکتے اور وہ بھی مجموعی؟''

''یار تم کچھ پی کر تو نہیں آرہے ہو؟'' بالے نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کیا بکواس ہے؟'' خان نے بالے کو ٹوک دیا۔ ''ہاں تو خیر، تم اس بارے میں سوچتے رہو۔''

''ہم پھر ملیں گے۔'' خان نے ایکسیلیٹر پر پیر رکھتے ہوئے مسکرا کر لانگ فیلو سے کہا۔

''میں قطعی نشے میں نہیں ہوں اور ویسے میں کبھی اتفاق سے ہی پیتا ہوں اور پیتا ہوں تو پی کر قطعی باہر نہیں نکلتا ہوں۔''

Akram Allahabadi

''چلو تسلیم۔'' خان نے اس کی پیٹھ ٹھونکی۔ ''کیا آج مونجنی جاؤ گے، والٹاس کا پروگرام ہے نا؟''

''یہ بھی ایک اتفاق ہے۔ اس پروگرام میں پریس کو بھی دی جانے والی دعوت کا کارڈ جب میرے دفتر میں آیا۔''

''مختصر بھائی، مختصر۔ کیا تم اپنے سائز سے کم جملے نہیں بول سکتے؟'' بالے سے پھر بولے بغیر نہ رہا گیا۔

''بڑے جل ککڑے ہو، یار۔'' لانگ فیلو نے بالے کی طرف ایک نظر دیکھ کر کہا۔

''خیر تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ نیوز ایڈیٹر نے اس کا دعوت نامہ مجھ ہی کو دے دیا ہے۔ اس لیے میں ہی آؤں گا۔'' وہ خان سے بولا۔

''صرف 'جی ہاں' کے جواب کو کتنا لمبا کیا ہے کم بخت نے۔'' بالے منہ پھر کر بڑبڑایا۔ اس کا یہ جملہ صرف خان سن سکا۔ وہ مسکرا کر رہ گیا۔

''اچھا تو پھر وہیں مونجنی میں ملاقات ہوگی۔'' خانے کار کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا اور لانگ فیلو وہیں کھڑا ہاتھ ہلاتا رہ گیا۔

''عجیب آدمی ہے میرا یار۔'' بالے بڑبڑاتا رہا۔

''کچھ بھی ہو، لیکن کام کا آدمی ہے اور میں اسے پسند کرتا ہوں۔''

''خوب رہی آپ کی پسند۔ کل کو عجائب گھر سے کوئی زراف بھی اٹھا لائے گا۔'' لیکن خان نے جواب دینے کی بجائے خموشی اختیار کر لی اور بال اس خموشی کا مطلب سمجھ کر خود بھی خاموش رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

انتباہ

کچھ دیر بعد ان کی کار بیرونی اسٹریٹ میں داخل ہو رہی تھی جس میں ریکس سنیما ہاؤس کے علاوہ دونوں اطراف پختہ عمارتیں تھیں۔ سرے پر ایک سرا کری پانی کا حوض اور ایک چھوٹا سا پاور اسٹیشن تھا۔ کار ایک طرف کھڑی کر کے وہ پیدل چلنے لگے۔ اپنی کار انھوں نے سنیما سے باہر کچھ دور پر کھڑی کر دی اور سنیما کے سامنے بنے لوہے کمپاؤنڈ کی طرف بڑھنے لگے۔

''آپ نے اب تک نہیں بتایا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ کیوں جا رہے ہیں؟ اور کس حیثیت سے جا رہے ہیں؟'' بالے نے قدم گن گن کر ساتھ چلتے ہوئے کیا۔

''ایک آدمی کی جان خطرے میں ہے۔''

''کیا آپ ملک الموت سے کشتی لڑ سکتے ہیں؟''

''بے موقع بے ہودگی پسند نہیں کروں گا۔''

''میں نے تو ایک عام بات کہی ہے۔ بڑے بوڑھوں سے سنا ہے کہ وہ آ جائے تو ٹالے نہیں ٹلتی۔''

''اور جو زبردستی بلائی جائے؟''

''کسی شرع شریف کی مولوی صاحب سے پوچھ کر جواب دوں گا۔''

''اب چپ رہو۔''

سڑک کو عبور کر کے وہ لاپرواہی کے انداز میں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اس کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔ یہ ایک چھوٹا سا کمپاؤنڈ تھا جس کے اندر خوش نما پھولوں والا ایک مختصر سا باغیچہ اور اس کے درمیاں ایک چھوٹا سا فوارہ۔ باہر آہنی دروازے پر تختی لگی

Akram Allahabadi

تھی جس پر لکھا تھا ''ایل جی برنا نڈو۔ڈی ٹی ایس''۔اس بلاک کے عین سامنے ریکس سنیما تھا۔

بغیچے کو عبور کرتے ہوئے وہ اس کے برآمدے میں پہنچ گئے۔یہاں اس وقت سناٹا تھا۔برآمدے میں دیوار پر لگے ہوئے ہیٹ اسٹینڈ پر ایک سیاہ رنگ کا ہیٹ لٹکا ہوا تھا۔

دروازے پر لگے ہوئے کال بیل کے بٹن کو دباتے ہی اندر سے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر دروازہ کھول کر کسی نے باہر جھانکا۔

''سبحان تیری قدرت، مجھے وجد آ رہا ہے۔''بالے آہستہ سے بولا۔خان اس کے قریب پہنچ گیا۔ایک جوان اور بھرپور جسم والی گندمی رنگ کی لڑکی جس کے خوب صورت کتابی چہرے پر پڑی بڑی بڑی کنول کے پھول کی طرح کھلی ہوئی آنکھیں پہلی ہی نظر میں سحر انداز معلوم ہوتی تھیں۔اس کے ہونٹ گلابی اور سبک اور ناک پتلی اور بہت خوب صورت تھی، موجود تھی۔

اس پر بھی جب خاں نے ایک نظر بھر کر بھی اس کے چہرے پر نہ دیکھا تو بالے کو وشواستر یاد آ گئے۔

''مسٹر برنا نڈو؟''خان نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

''وہ میرے بہنوئی ہیں۔''لڑکی نے مترنم آواز میں کہا۔

''خدا ایسی سالی سب کو دے۔''بالے چھت کو گھورتے ہوئے آہستہ سے بڑبڑایا۔جس پر دانستہ خان نے ایک قدم پیچھے ہٹا کر اس کا پیر کچل دیا اور وہ تلملا اٹھا۔

''ان سے ملنا ہے؟''خان نے کہا۔

''لیکن ...؟''لڑکی کچھ شبہ آمیز نظروں سے ان کی صورتیں دیکھتے ہوئے بولی۔جس پر خان نے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔کارڈ پر نظر

پڑتے ہی اس کے چہرے کی گھبراہٹ حجاب کی سرخی سے بدل گئی۔

''اندر تشریف لایئے۔'' وہ پیچھے ہٹ کر کمرے میں واپس لوٹ گئی۔

''میں بھی نا؟'' بالے نے خان سے پوچھا۔

''نہیں، تم باہر ٹھہرو۔''

''انسلٹ، میں صاحب سپرنٹنڈنٹ کا چپڑاسی نہیں ہوں۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا خان کے پیچھے کمرے میں چلا آیا۔ یہ ایک اوسط درجے کا آراستہ ڈرائنگ روم تھا۔

''اس طرف۔'' لڑکی نے ایک دوسرے کمرے کی طرف اشارہ کیا جس کا دروازہ ڈرائنگ روم میں کھلتا تھا۔ اس کمرے میں داخل ہوتے ہی انھیں دیکھ کر برنانڈو اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپ...؟ آپ سپرنٹنڈنٹ...؟'' اس نے بالے کو قدرے آگے دیکھ کر اسی سے پوچھا۔ بالے اس وقت اپنے سادا لباس میں تھا۔

''مجھے ان کا ہراول دستہ کہتے ہیں۔'' بالے نے خود خان کی طرف اشارہ کر دیا۔

''برنانڈو نے اس پر آگے بڑھ کر خان سے گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور پھر بالے سے۔

''میں بہت مشکور ہوں کہ میری درخواست پر آپ تشریف لے آئے۔'' اس نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ خان کا شکریہ ادا کیا لیکن اس کی ہنسی بے جان سی معلوم ہو رہی تھی۔ اتنے میں وہ لڑکی بھی اندر آ گئی اور بالے کے دل میں پھر کچھ کچھ ہونے لگا۔

''روزو، آپ لوگ...'' برنانڈو نے مہمانوں کا اس سے تعارف کرانا چاہا۔

''میں جانتی ہوں ان کو۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''میں نے آپ کا کارڈ دیکھا

Akram Allahabadi

ہے۔''اس کا اشارہ سپرنٹنڈنٹ خان کی طرف تھا۔

''یہ سارجنٹ بالے ہیں، میرے اسسٹنٹ۔'' خان نے بالے کا تعارف خود کرا دیا۔

''سارجنٹ بالے۔'' لڑکی نے زیرِلب دہرایا، پھر مسکرا دی۔

''کیا جانتی ہو تم انھیں؟'' برنا نڈو نے اس سے سوال کیا۔

''ان کی تعریف اپنی سہیلیوں سے سن چکی ہوں۔ مونجنی میں اکثر ان کے ہنگامے ہوتے رہتے ہیں۔'' وہ بڑے بے تکلفانہ لہجے میں بولی۔ خصوصاً خان کو تو اس سے اس قدر جلد اور اس طرح بے تکلف ہو جانے کی توقع نہ تھی۔ لیکن بالے کے لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ مردوں سے زیادہ وہ عوتوں اور بالخصوص لڑکیوں کی سوسائٹی میں مشہور تھا اور اسی شہرت نے ایک طریقے سے اس کا بیڑہ غرق کر رکھا تھا۔ اسے زندہ دل سوسائٹی میں والنٹینو' کہا جاتا تھا اور یہی اس کی بدقسمتی تھی کہ اس کی اس ناموری، بدنامی اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا، کے مصداق اس کے کیرکٹر سے وابستہ ہو چکی تھی جس نے اسے لڑکیوں کے لیے ہوا بنا دیا تھا۔ وہ خود اس کی بہت سی دوست لڑکیاں اس سے بے تکلف ہوتے ہوئے بھی دور رہنے لگی تھیں، کیوں کہ وہ یکے از خزانۂ بغداد کا قائل نہ تھا۔ اور اس کے نزدیک کسی بھی شریف آدمی کا رومان کے لیے کسی ایک لڑکی یا عورت کی جاگیر ہو کر رہ جانا خود اس کی مردمیت کی توہین تھی۔ وہ بس اس نظریے کا قائل تھا کہ ''گزر جائیں گے ہنستے کھیلتے ہنگامِ ہستی سے۔'' اور اس کی یہ تمام تر دل چسپیاں جن میں سے حسن پسندی تو اب اس کی فطرت بن چکی تھی، دائرۂ اخلاق کے اندر ایک جذباتی تفریح سے زیادہ نہ تھیں۔ اور خان کے بارہا سمجھانے پر بھی آج تک وہ یہی دلیل پیش کرتا چلا آ رہا تھا کہ لڑکیاں خود اس سے تفریح کرتی ہیں۔ جب تک جی چاہتا ہے کھیلتی ہیں اور جب جی چاہا پھر۔ اور یہ بھی حقیقت تھی کہ اس ترقی پسند سوسائٹی میں حسن اس قدر بکھر گیا

تھا کہ اول تو اس کی پسند پر کسی ایک کا اترنا محال تھا، ایک سے دوسری بہتر مل جاتی اور پھر اس دور میں رومان بھی تو ایک تفریح بن کر رہ گیا تھا۔ ایسی صورت میں ہمیشہ کے لیے کسی کو اپنانے کے لیے حسنِ کردار کی تلاش تو کم از کم اس سوسائٹی میں مفقود سی چیز تھی۔ جو کچھ تھے محض ہنگامے، وقتی، میعادی یا پھر سرسری اور جذباتی۔ ایک بہت پرانا فلسفہ تھا جو اس سوسائٹی کی ریڑھ کی ہڈی بنا جا رہا تھا جس میں بالے اپنی مصروفیتوں سے اکتا کر کچھ وقت کا ذہنی یا قلبی سکون تلاش کرتا۔ یہ فلسفہ تھا ہابیل و قابیل والا، یعنی مرد کی ضرورت عورت، عورت کی ضرورت مرد۔ اور تہذیب اپنی روحانی حدوں سے بے نیاز ہو کر، بس اسی ایک ضرورت کے گرد رقص کر رہی تھی۔

بہر حال وہ نہ کسی لیلیٰ کا مجنوں تھا نہ کسی شیریں کا فرہاد۔ نہ اس کی کوئی ہیر تھی اور نہ وہ کسی کا رانجھا۔ زندگی اس کے نزدیک ایک موج تھی جو کہیں نہ کہیں سمندر کے کسی کنارے سے ٹکرانے کے لیے بھی چلی جا رہی تھی۔ کب ٹکرائے، کہاں ٹکرائے گی، یہ اس لہر پر منحصر تھا جو اسے اتنی دور بہا لے جائے۔

خان برنانڈو کے کہنے پر صوفے پر بیٹھ گیا۔

''ہمارے معزز مہمانوں کی کچھ خاطر نہ کرو گی کیا؟'' برنانڈو نے بدستور مرے ہوئے سے لہجے میں زور سے کہا۔

''کیوں نہیں، ضرور۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے جانے کے بعد برنانڈو نے سپرنٹنڈنٹ کو رات کا واقعہ سنانا شروع کر دیا۔

''تو آپ کی مسز...؟'' خان نے سب سن کر پوچھا۔

''وہ اسی نامعلوم سیاہ روبلیک مین کے قبضے میں ہے۔''

''لیکن آپ نے اس کی بازی ہی کیوں لگائی؟'' خان کے لہجے میں کسی قدر ناخوش گواری تھی۔

''بخدا میں اسے مذاق سمجھا تھا۔''

''کیا آپ وہاں روز جاتے تھے؟''

''صرف تیسری بار گیا تھا۔''

''آپ وہاں تک کس طرح پہنچے تھے؟''

''یہ تو وہاں پہنچنے والا کوئی آدمی نہیں جانتا۔ یہ ایک عجیب اسرار ہے۔ مجھے جب بھی وہاں لے جایا گیا ہے، آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر، اور اسی طرح واپس لایا گیا ہے۔''

''آخر آپ پہلی بار وہاں کس طرح گئے تھے؟''

''میں دیوالی وغیرہ جیسے تہواروں پر شوقیہ جوا کھیل لیا کرتا تھا۔ لیکن پچھلے سال دیوالی کے موقعے پر جب ایک بار سنگم نواس سے نیچے اترا تو مجھے اپنی کار میں ایک خط پڑا ہوا ملا۔ یہ خط ایک عجیب سا دعوت نامہ تھا جس میں تحریر تھا کہ 'کل شام کو ساڑھے آٹھ بجے مڈلٹن اسکوائر پر ملو، تقدیر بدل جائے گی'۔ میں نے پہلے تو اس خط کو کسی دوست کا مذاق سمجھا لیکن پھر اسے آزمانے کے خیال سے دوسرے دن ساڑھے آٹھ بجے رات کو مڈلٹن اسکوائر پہنچ ہی گیا۔ وہاں اپنی کار ایک کیفے کے پاس کھڑی کر کے میں فٹ پاتھ پر ٹہل کر سوچ ہی رہا تھا کہ آخر یہ کس قسم کا مذاق تھا کہ اسی وقت ایک لمبی سی کالے یا گہرے نیلے رنگ کی کار آ کر میرے قریب ہی فٹ پاتھ سے لگ کر رکی۔ اس کے اندر ایک انجان مگر شریف صورت آدمی بیٹھا تھا۔ اس نے مجھ سے پہلے میرا نام پوچھا، پھر بڑی عزت کے ساتھ کار کا دروازہ کھول کر مجھے اس میں بیٹھنے کو کہا۔ میں نے اس وقت اپنی کار کا بھی اسے ذکر کیا، لیکن اس نے یہ کہہ کر مجھے خاموش کر دیا کہ اسے یہیں رہنے دیجیے۔ آپ ابھی واپس آ جائیں گے۔ کچھ خوف اور تذبذب کے عالم میں میں جب اس کار میں بیٹھ گیا تو اندر سے اس کے شیشے چڑھا دیے گئے۔ یہ گہرے نیلگوں شیشے تھے اور ان میں سے

باہر کا کچھ نظر نہ آتا تھا۔میرے پوچھنے پر اس نے بڑے با اخلق لہجے میں یہی کہا کہ یہ آپ کے فائدے کے لیے ہی ہے۔''

مجھے صحیح اندازہ نہیں کہ یہ کارکب تک اور کس کس سمتوں میں دوڑتی رہی،لیکن تقریباً نصف یا تین چار تھائی گھنٹے کے بعد گاڑی روک دی گئی اور مجھ سے کہا گیا کہ رازداری کے بعض اصولوں کے پیشِ نظر مجھے آنکھوں پر پٹی بندھوانی پڑے گی۔میں اس مقام پر ان لوگوں کے درمیان مجبور تھا...''

''لوگوں کے درمیان؟تو کیا اور بھی تھے اس کار میں؟''خان نے بات کاٹ کر پوچھا۔

''جی ہاں۔دو اور جو پچھلی نشستوں پر تھے اور پہلے اندھیرے میں مجھے نظر نہ آ سکے تھے۔''

''خیر آگے؟''خان نے لقمہ دیا۔

''میں نے مجبوراً پٹی بندھوالی۔یہاں مجھے چند غالباً تنگ راستوں سے گزار کر ایک کشادہ جگہ پہنچا دیا گیا اور جب میری پٹی کھولی گئی تو میں ایک آراستہ کمرے میں تھا اور یہ کمرہ اسی نامعلوم مقام کا ریکریشن روم کہلاتا ہے۔یہاں سے وہی دو آدمی مجھے ایک وسیع ہال میں لے گئے جہاں چاروں طرف میزوں پر جوا ہو رہا تھا اور مجھے بھی یہاں چھوڑ دیا گیا۔لوگوں کی لمبی لمبی رقمیں جیتتے دیکھ کر میرا بھی دل للچانے لگا اور میں نے جیب میں پڑے ہوئے دو سو روپیوں سے فلیش کھیلنا شروع کیا اور یہ بات کچھ کم حیرت ناک نہ تھی کہ کھیل کی دھن میں میں اس رات وہاں ۲ بجے تک جما رہا اور اس درمیان میں میں نے ان دو سو سے سب ملا کر تقریباً دس ہزار روپے کمائے۔چند گھنٹوں کے اتنے بڑے فائدے نے اس وقت مجھے فرطِ مسرت سے اس قدر بے خود کر دیا کہ میں یہ بھی بھول گیا کہ میں یہاں کس طرح اور کیوں لایا گیا ہوں اور یہ مقام کیا اور کہاں واقع ہے۔یہ ضرور

نیں نے دیکھا کہ وہاں ہر کھیل بڑے ایمان دارانہ پیمانے پر ہو رہا تھا اور کسی کی زبان پر ذرا بھی شکایت نہیں آئی۔

''کھیل ختم کر کے جب میں اٹھا تو مجھے ایک آدمی بلا کر ایک منزل اوپر لے گیا۔ یہاں مجھے ایک ایسے آدمی سے گفتگو کرنی پڑی جو میرے لیے قطعی ان جان تھا۔ میں نے صرف یہ دیکھا کہ وہ پستہ قد اور روکھی شکل کا آدمی تھا۔ اس نے مجھے صرف اس نامعلوم مقام کے اصول بتائے اور کہا کہ میں جب چاہوں یہاں کھیلنے آ سکتا ہوں، لیک، ن اس سے پہلے مجھے ایک ٹیلی فون نمبر ڈائل کرنا پڑے گا۔ اور وہ بھی صرف شام کے پانچ اور چھ بجے کے درمیان۔ اس نمبر پر صرف اپنا ٹیلی فون نمبر دینا ہوگا۔ جس کے بعد اس ان جانے مقام سے یا کہیں سے بھی مجھے اطلاع دے دی جائے گی کہ میں تیار ہو کر کہاں ملوں۔ لیکن سب سے کڑی شرط یہ رکھی گئی تھی کہ بغیر اجازت میں کسی اور کو اس چیز کا راز دار نہ بناؤں گا، ورنہ اس کی سزا مجھے سخت سے سخت، مثلاً موت تک مل سکتی ہے۔ میں نے اس وقت جیت کے نشے میں ہر شرط قبول کر کے ان کے ایک عہد نامے پر دستخط کر دیے جس کی رو سے میں نے اقبال کیا تھا کہ میں بغیر کسی کے رغبت دلائے اپنی مرضی سے یہاں اپنے دوستوں کے ساتھ جوا کھیلتا ہوں۔ مضمون کیوں کہ سیدھا سادا تھا، اس لیے میں نے کچھ نہ سوچا۔ اس کے بعد مجھے معہ جیتی ہوئی رقم کے اسی طریقے پر اسی مقام پر واپس پہنچا دیا گیا جہاں میری کار اب تک موجود تھی اور مجھے تعجب تھا کہ کسی نے اسے لاوارث سمجھ کر اس کے بارے میں پوچھ تاچھ تک کیوں نہ کی۔''

''اس کے بعد آپ کتنی بار اور گئے وہاں؟''

''صرف دو بار اور۔''

''آپ کی بیوی کس طرح آپ کے ساتھ گئی تھی؟''

''وہ کافی ترقی پسند، بلکہ سچ پوچھیے تو مغربی ذہنیت کی عورت ہے۔ جوا وغیرہ

نہ وہ خود برا سمجھتی ہے نہ مجھے روکتی ہے، بلکہ ایسے موقعوں پر بسا اوقات میرے ساتھ رہتی ہے۔البتہ دوبار گھر سے آدھی رات سے زیادہ اکیلے غائب رہنے پر اسے میرے کیرکٹر پر شبہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے کل رات وہ میرے ساتھ ساتھ گئی، محض یہ دیکھنے کے لیے کہ میں جھوٹ تو نہیں بول رہا ہوں۔''

''کیا اس سیاہ رو آدمی کو آپ نے اس سے پہلے بھی دیکھا تھا؟''

''بالکل نہیں، لیکن وہاں کے لوگوں کو میں نے اس کا نام سن کر کانپتے ضرور دیکھا تھا۔''

''وہاں آپ کو کوئی نہ کوئی جان پہچان والا تو ضرور ملا ہوگا؟''

''ریلوے سروس کی وجہ سے یہاں کے شہریوں سے میرے تعلقات بہت کم ہیں، ویسے ممکن ہے کچھ ایسے لوگ مجھے جانتے ہوں جنہیں میں نہیں جانتا۔''ڈی ٹی ایس نے بتایا۔

''آپ کی بیوی کو آپ سے چھین لینے کے بعد آپ کے ساتھ کیا گیا؟''

''مجھے صرف یہ تنبیہہ دی گئی کہ یہاں جو کچھ ہوتا ہے، زبان اور قول پر ہوتا ہے اور اگر اپنی مرضی سے بیوی کو جوئے میں ہار کر میں نے کسی سے اس کا تذکرہ بھی کیا یا پولیس سے کوئی مدد لینی چاہی تو مجھے ختم کر دیا جائے گا۔''

''پھر...؟'' بالے نے انہماک سے کوئی کہانی سننے والے معصوم بچے کی طرح ہتھیلی پر چہرہ ٹیکے ٹیکے پوچھا۔

''اس کے ان دونوں خوف ناک شکل کے آدمیوں نے مجھے پکڑ لیا تھا۔اتنا مجھے یاد ہے۔اس کے بعد مجھے چکر آ گئے اور جب ہوش آیا تو میں گاندھی پارک میں ایک بینچ پر پڑا تھا۔''برنانڈو نے بتایا۔

''آپ کا روپیہ کل رات کتنا جیتا گیا تھا؟''

''میں گھر سے صرف پانچ ہزار لے گیا تھا۔''

''کیا آپ کوئی اندازہ بھی قائم نہیں کر سکتے کہ آپ کو کس سمت اور کتنی دور لے جایا گیا ہو گا؟''

''میرے لیے یہ اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ کار ۳۵۔۴۰ منٹ تک چلتی رہتی تھی اور پھر وہ جہاں رکتی وہ مقام مجھے سونا اور تاریک نظر آتا۔ وہیں سے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی تھی۔''

''کیا آپ نے کبھی کہیں اور بھی وہاں کے کسی آدمی یا وہاں کھیلنے والے کسی آدمی کو دیکھا ہے؟''

''نہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ کھیلنے کے لیے وہاں پہنچنے والے دوسرے لوگ بھی میری طرح ان شرائط کے پابند اور اس مقام اور اس خوف ناک بلیک مین لیس ناواقف ہوں گے۔''

''واقعی، کیس بہت پے چیدہ ہے۔ خود میں نے آج تک کسی ایسے سلسلے کا ذکر نہیں سنا۔ بلیک مین کا نام اور اس کی شخصیت بھی ہمارے لیے قطعی اجنبی ہے۔'' خان نے اعتراف کیا۔

''میں سمجھ رہا ہوں کہ وہ لوگ مجھے ضرور مار ڈالیں گے۔ وہ قول کے بڑے پکے ہیں۔ لیکن آپ خدا کے لیے کسی طرح میری بے گناہ بیوی کو ان ظالموں کے پنجے سے چھڑا دیجیے۔ میں زندگی بھر آپ کا احسان مانوں گا۔''

''یہ تو ہمارا فرض ہے اور ہم ضرور کوشش کریں گے۔'' خان نے اسے یقین دلایا۔

''مجھے ڈر ہے کہ اب آپ کی مدد مانگنے کے بعد کسی وقت بھی میری زندگی پر حملہ ہونے والا ہے۔'' برنانڈو نے کسی پیش آئندہ خوف سے کانپ کر کہا۔

Akram Allahabadi

''گھبرایئے نہیں، آپ کی حفاظت کی جائے گی۔'' خان نے دلاسا دیا۔

''خدا جانے اس پر کیا بیت رہی ہوگی؟'' وہ پھر ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔

''اچھا آپ یہ بتایئے کہ آپ کے بے ہوش ہونے سے پہلے آپ کو وارننگ دی گئی تھی؟''

''جی ہاں۔''

''وہ لوگ جو آپ کو بے ہوش واپس لا رہے تھے، کیا ان کی گفتگو یا ان کی کوئی بات بے ہوش ہونے کے دوران یا بے ہوشی کے اثر انداز ہونے تک آپ کے کان میں پڑی تھی؟''

''مجھے یاد نہیں پڑ رہا۔'' برنا نڈ وذہن پر زور دینے لگا۔

''ٹھیک سے یاد کیجیے۔ یہ بہت ضروری ہے۔'' خان نے سمجھایا۔

''اوہ ہاں... صرف ایک جملے کا کچھ حصہ۔''

''وہ کیا؟'' پر استیاق نظروں سے خان نے اس کی صورت دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''شاید کتوں کے بارے میں... انھیں مار دو... یا نہ جانے کیا کرو...''

''کتوں کے بارے میں؟'' وہ اس جملے کو دہرانے کے ساتھ ہی کسی نامعلوم خیال سے چونک پڑا۔ اس کے کانوں میں لانگ فیلو کے الفاظ گونجنے لگے۔

''اوہ... تو کہیں...'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔

اسی وقت روزو چائے کی ٹرے لے آئی اور سلسلۂ گفتگو کچھ دیر کے لیے منقطع ہوگیا۔ روزو نے اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر مہمانوں کو پیش کی۔ اور بالے نے اس سے بار بار مخاطب ہونے کے لیے دوبار شکر مانگی۔ انھیں اس گھر میں اب تک کوئی نوکر نظر نہیں آیا تھا اور خان کے پوچھنے پر برنا نڈ وونے بتایا کہ صرف ایک خانساماں کام کر رہا ہے۔

دوسرا ایک نوکر آج چھٹی لے کر چلا گیا ہے۔اس کی بیوی شاید بیمار ہے۔

''آپ کے نوکر تو بھروسے کے آدمی ہیں۔''

''خانساماں ہمارا بہت پرانا اور قابلِ اعتمار نوکر ہے اور یہ دوسرا نوکر بھی دو تین مہینے قبل میں نے رکھا ہے۔میں اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔''برنانڈو نے بتایا۔

''آپ اپنی بیوی کی کوئی تصویر فراہم فراہم کر سکتے ہیں؟''خان نے سوال کیا۔

''بے شک۔میرے البم میں اس کی بہت سی تصویریں ہیں۔''یہ کہہ کر برنانڈو اٹھا اور اس نے میز کی دراز سے البم نکال کر اس میں سے ایک تصویر جو پینٹ تھی، نکال کر خان کی طرف بڑھادی۔بالے بھی اس فوٹو کو دیکھنے لگا۔پھر اس نے ایک نظر روزو پر ڈالی۔شاید وہ حسن و وجاہت میں دونوں کا موازنہ کر رہا تھا۔اور روزو اس کی اس شرارت کا مطلب سمجھ کر جھینپ سی گئی۔

''نہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ اب میں زیادہ دیر جی نہ سکوں گا۔'' برنانڈو پر پھر کسی خیال سے گھبراہٹ طاری ہو گئی۔

''میں ابھی بندوبست کرائے دیتا ہوں۔کیا فون ہے آپ کے یہاں؟''خان نے پوچھا۔

''جی۔دوسرے کمرے میں ہے۔''وہ یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔خان اس کے پیچھے اس کمرے کی طرف چلا گیا اور یہاں بالے اور روزو تنہا رہ گئے۔

''آپ کا گھر مختصر، مگر شاندار ہے۔''بالے نے بھونڈے طریقے سے سلسلۂ گفتگو چھیڑا۔

''یہ خان صاحب وہی ہیں نا جن کے نام سے شہر کے جرائیم پیشہ لوگ کانپ اٹھتے ہیں؟''روزو نے جواب کی بجائے قطعی غیر متوقع سوال پیش کر دیا اور اس بدمذاقی

پربالے کا جی چاہا کہ وہ ایک عدد تحریک التوا پیش کر دے لیکن معاملہ نیا نیا تھا اور روز وکس قسم کی لڑکی ہے وہ یہ اب تک نہیں سمجھ سکا تھا۔

''دھونس ہے سب۔لڑائیاں فتح کرے بیرم خاں اور نام ہوا کبر خاں کا۔''

''اکبر خاں۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''ارے،تو کیا مغل خان نہیں ہوتے تھے؟''

''ہوتے ہوں گے۔'' وہ مسکرا کر شانِ بے نیازی سے بولی۔

''ہمارے خان صاحب بھی تو مغلوں کی کھرچن سے ہیں۔آپ کو معلوم نہیں ان کے گرانڈ گرانڈ وگرانڈ ڈیڈی رانا سانگا کی فوج کے رسالے دار تھے۔''

''آپ بہکنے لگے کچھ۔رانس سانگا سے مغلوں کی لڑائی ہوئی تھی۔''

''آپ ضرور کچھ پڑھی لکھی معلوم ہوتی ہیں۔'' بالے نے اس طرح کہا جیسے وہ اب تک جاہل محض سمجھ رہا ہو۔

''آپ دیر میں سمجھے۔''

اور بالے کو اس کے اندازِ گفتگو سے ایسا معلوم ہونے لگا جیسے یہ معصوم شکل کی خوب رو لڑکی اپنی طنز بھری مسکراہٹ کے ساتھ اس کی نگاہوں میں مختصر ہوتے ہوتے ایک لوہے کا چنا بن گئی ہو۔اسی وقت خان اور برنانڈو بھی باہر نکل آئے۔خان پھر صوفے پر بیٹھ گیا۔اور وہ اور برنانڈ واب دوسرے موضوع پر گفتگو کرنے لگے۔بالے اب خاموش ہو گیا تھا۔روز و کی گفتگو اس کے لیے حوصلہ افزا نہ تھی۔وہ اب اسے صرف کترا کترا کر کبھی کبھی دیکھ لیتا۔خان اس کے موڈ سے سمجھ گیا کہ بیٹے کی دال نہیں گھلی۔اور بالے کو اس وقت خان کی مسکراہٹ بھی زہر میں بجھی معلوم ہو رہی تھی۔وہ اپنی نشست پر اور سکڑ کر بیٹھ گیا۔تقریباً پندرہ منٹ بعد ہی باہر کسی کار کے رکنے کی آواز آئی اور پھر گھنٹی بجنے لگی۔آنے والے انسپکٹر ڈیسوزا اور روف تے۔ان کے ساتھ سادہ لباس میں دو آدمی

Akram Allahabadi

اور تھے۔خاں کے سامنے آ کر ڈیسوزا اٹینشن ہوگیا۔خان مسکرا کر سلام لینے کے بعد اسے ساتھ لے کر دوسرے کمرے کی طرف چلا گیا۔اور تنہائی میں اسے کچھ ہدایات دینے کے بعد واپس آ گیا۔

''مسٹر برنانڈو، جب تک میں واپس نہ آؤں یہ لوگ آپ کی حفاظت کریں گے۔''خان نے برنانڈو سے کہا۔

''بہتر ہے،لیکن آپ رہتے تو...''

''یہ میرے خاص اسسٹنٹ ہیں۔ان کی موجودگی آپ کے لیے مجھ سے کم نہیں۔''

''نہیں،میرا یہ مطلب نہ تھا۔''

''اچھا تو اب اجازت دیجیے۔میں پھر ملوں گا۔'' خان اٹھتے ہوئے بولا۔ بالے اس سے پہلے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔لاکھ خوب صورت سہی،لیکن روزو کی گفتگو نے اسے بور کر دیا تھا۔وہ اس وقت رؤف سے بھی کچھ نہ بولا۔

خان اور بالے کے جاتے ہی ڈیسوزا نے ان دو سفید پوش آدمیوں کو اس بلاک کے سامنے اور پشت کی طرف ڈیوٹی پر لگا دیا اور خود مسٹر برنانڈو کے پاس بیٹھ گیا۔ اب تک کی اس تمام گفتگو سے روزو کوئی خاص دل چسپی نہیں لے رہی تھی۔وہ بددلی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔شاید اسے برنانڈو کی اس درجہ بزدلی پسند نہ تھی یا پھر ممکن ہے اب تک اسے اس کے بیان پر یقین ہی نہ آیا ہو۔

''رؤف، میں مسٹر برنانڈو کے ساتھ ہوں تم گھوم پھر کر نگرانی کرو۔'' ڈیسوزا نے رؤف کو ہدایت کی اور رؤف بہتر کہتا ہوا اٹھ کر چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

گلے پڑ گئی

مونجنی کی رات آج خلافِ معمول زیادہ خوش گوار اور سجی ہوئی تھی۔ والٹاس نے معزز شہریوں کے لیے دعوتِ خیر سگالی کے ساتھ اپنا ایک مخصوص پروگرام یہاں پیش کیا تھا۔ دراصل اس اجتماع میں پس منظر میں بھی والٹاس کی پبلسٹی کی غرض پوشیدہ تھی۔ بہر حال مونجنی کی تقریباً تمام نشستیں مہمانوں سے پر تھیں۔ اور جو خالی تھیں وہ پہلے سے مخصوص تھیں۔

جس وقت کان بالے کی میں داخل ہوا تو بالے کی شکل دیکھتے ہی منیجر کو جھرجھری سی آ گئی۔ وہ اس مصیبت سے بہت گھبراتا تھا اور بالے خدائی آفت کی طرح جب چاہتا مونجنی میں آدھمکتا۔ منیجر اس سے زیادہ اس کی حرکتوں سے خوف کھاتا تھا اور خاص طور پر وہ دن تو اس کے بڑی مصیبت کا ہوتا جب بالے کو مونجنی میں آئی ہوئی کسی نئی نویلی لڑکی سے زبردستی کا عشق ہو جاتا۔ وہ ایسے موقعوں پر اس لڑکی کو متاثر کرنے کے لیے عجیب عجیب حرکتیں کرتا اور منیجر کو طرح طرح کے بہانے بنا کر اپنے معزز گاہکوں کو سمجھانا پڑتا۔ یہ اور بات ہے کہ بالے کی کوئی حرکت اخلاق سے گری ہوئی نہ ہوتی تھی۔ لیکن کم از کم کسی کو منہ چڑا دینا ہی ایک ایسا فعل تھا جس کی اخلاقی یا غیر اخلاقی حدود کا تعین مشکل تھا۔

پھر بالے کے ساتھ خان کو بھی اندر آتے دیکھ کر منیجر نے اطمینان کی ایک لمبی ٹھنڈی سانس کھینچی اور خان کو اشارے سے سلام کرتے ہوئے مسکرا دیا۔

''میں نے بالے صاحب کو بھی آپ کے پاس ہی نشست دی ہے۔'' منیجر نے آہستہ سے کہا اور کان کچھ دیے بغیر سر ہلا کر آگے بڑھ گیا۔

''بیٹے ونسٹن چرچل، سمجھ لوں گا تم سے۔'' بالے نے گھونسا دکھا کر منیجر کو دھونس دی۔

''کہوں خان صاحب سے؟''

''آہا، کہوں خان صاحب سے۔ وہ تمہارے شوہرِ نامدار ہیں کیا؟'' بالے نے آواز بنا کر مسخرے انداز میں کہا۔

''لاحول ولاقوۃ۔ یہ کیا بھونڈا مذاق ہے۔'' منیجر جھنجلا گیا۔

''بھونڈی شکلوں پر بھونڈا مذاق ہی زیب دیتا ہے۔ بیٹا، رومیو بن کر بیٹھے رہو کاؤنٹر پر کوئی لونڈیا اس چوکھٹے پر آخ تھو بھی نہیں کرے گی۔''

''آج تو میں شکایت کروں گا آپ کی؟'' منیجر کا لیجی سنجیدہ اور چڑا ہوا تھا۔

''بیٹھ جا بھئی، بیٹھ جا۔ بعد میں نپٹ لینا۔'' بالے دونوں ہاتھوں سے اس کے کندے دبا کر اسے کاؤنٹر کی اونچی کرسی پر دھکیلتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ خان اب اپنی نشست پر جا بیٹھا تھا اور جب بالے قریب پہنچا تو لانگ فیلو کو اپنی کرسی پر بیٹھے دیکھ کر اس کا دماغ کھول اٹھا۔

''او بھائی تاڑ خاں، کوئی اور جگہ نہیں ملی؟'' بالے نے جلے ہوئے لہجے میں کہا۔''

''نام نہیں لکھا ہے نشست پر۔'' لانگ فیلو نے پلٹ کر ایک نظر اس کی طرف دیکھتے ہی جواب دیا۔ اس کی یہ شانِ بے نیازی بالے کو کھل گئی۔

''میں تمہیں کرسی سمیت یہاں سے اٹھا کر کہیں اور رکھ دوں گا۔''

''چراغ الہ دین کے دیو تو نہیں ہو۔'' لانگ فیلو نے اس بار اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

''ایک کرسی اور منگوالو۔'' خان نے سنجیدگی سے کہا۔

Akram Allahabadi

''خوب رہی۔میاں کا جوتا میاں کا سر۔''

''اپنی اپنی اوقات ہے۔'' لانگ فیلو نے اس بار اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

لیکن خان کو سنجیدگی سے کسی طرف متوجہ دیکھ کر دونوں چپ ہو گئے۔بالے منیجر کو ایک کرسی اور بھیجنے کا اشارہ کر کے خود بھی اسی طرف دیکھنے لگا۔خان کی نظر اس وقت ہال میں موجود شہر کی معزز شخصیتوں کا جائزہ لے رہی تھی۔کرسی آ گئی اور بالے اس پر پھیل کر بیٹھ گیا۔

''ہیلو خان صاحب۔'' ایک پہچانی ہوئی سی آواز نے ان لوگوں کو چونکا دیا۔ پشت سے آنے والا میجر قادر اور اس کے ساتھ ایک کوئی گورے رنگ کا قد آور آدمی تھا جس نے جسم پر بھاری قیمتی سوٹ پہن رکھا تھا۔میجر قادر سے خان کی پرانی ملاقات تھی۔وہ حیدرآباد کے ایک معزز خاندان سے تھا اور ان دنوں ملٹی انجیرنگ میں گیریژن انجیرنگ کے عہدے پر مامور تھا۔خان سے اس کی دوستی ایک بڑے ٹھیکے دار کی دھوکا دہی کی تحقیقات کے سلسلے میں ہوئی تھی۔

''ہیلو میجر۔'' خان نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس سے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور پھر بالے اور لانگ فیلو کا بھی اس سے تعارف کرا دیا۔

''انھیں تو میں جانتا ہوں۔یہ پہلے بھی آپ کے ساتھ مجھ سے مل چکے ہیں۔'' میجر نے بالے سے ہاتھ ملاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''بدنام آدمیوں کو دنیا جانتی ہے۔'' لانگ فیلو نے شہی زبان سے کہا۔اس پر بالے نے جواب دینے کی بجائے لانگ فیلو کا پیر زور سے دبا دیا۔

''آپ سے ملیے۔آپ نواب افسر جنگ ہیں۔حیدرآباد کے ایک بڑے معزز جاگیردار خاندان کے چشم و چراغ۔'' میجر قادر نے خان سے نئے آدمی کا تعارف کرایا۔

Akram Allahabadi

''نواب اب کہاں رہی ہے، صاحب۔ مجھے صرف افسر جنگ کہتے ہیں۔''

''آپ فیلڈ آفیسر ہیں کیا؟'' بالے نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

''جی نہیں۔ یہ میرا خطاب ہے صرف۔ ویسے میں یہاں پی ڈبلیو ڈی میں انجینئر تھا۔'' نواب افسر جنگ نے بڑی نرمی اور انکساری سے کہا۔

''اوہ۔ میں اسے لغوی معنے پہنا رہا تھا۔'' بالے نے بیوقوفانہ لہجہ اختیار کیا۔

''آپ ایسے الفاظ کو ننگا ہی رہنے دیا کیجیے۔ ویسے ہی بھلے معلوم ہوتے ہیں۔'' خان نے الفاظ چبا کر اسے جھڑک دیا۔ جس پر سب ہنس پڑے۔

''میں نے آپ کو شاید اور بھی کہیں دیکھا ہے۔'' خان ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا۔

''شاید پی ڈبلیو ڈی کے آفس میں یا ممکن ہے کہیں سامنا ہوا ہو۔'' افسر جنگ نے مسکرا کر جواب دیا۔

''بہر حال بڑی کوشی ہوئی آپ سے مل کر۔''

''کبھی تشریف لایئے نا غریب خانے پر۔ مجھے بڑی مسرت ہوگی۔'' افسر جنگ نے خان کو دعوت دی۔

''میں لے کر آؤں گا انھیں کسی دن۔'' میجر قادر نے کان کے بولنے سے پہلے افسر جنگ سے وعدہ کر لیا۔ اور کان مسکرا کر خاموش ہو رہا۔ اس کے بعد وہ دونوں ہاتھ ملا کر اپنی مخصوص نشستوں کی طرف چلے گئے۔

''ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے ان کتوں کے بارے میں؟'' خان نے بیٹھتے بیٹھتے پھر لانگ فیلو سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''میرا مطلب تھا کہ اگر کوئی ان کتوں کو ناپسند بھی کرتا ہو تو یہ کیا ضروری تھا کہ وہ انھیں زہر دے کر مارنے کے بعد ان کی لاشیں بھی اتنی دور لا کر پھینکے اور وہ بھی ایک دو

Akram Allahabadi

نہیں ایک دم چھ۔'' لانگ فیلو نے کہا۔

''ہائے، پھر وہی کتے؟'' بالے بڑبڑایا۔

''اچھا، تو تم مجھے وہ جگہ بتاؤ گے جہاں کتوں کی لاشیں پڑی دیکھی گئی تھیں؟'' خان نے لانگ فیلو سے آہستہ سے کہا۔

''ارے، تو آپ بھی کتوں میں دلچسپی لے رہے ہیں۔'' بالے نے حیرت سے منہ پھیلا لیا۔

''تمہیں رشک ہو رہا ہے کیا؟'' لانگ فیلو نے بالے پر فقرہ چست کیا۔

''بھلا مجھے کیوں ہونے لگا آپ کی ذات پر رشک۔'' بالے نے ہال میں ایک طرف میز پر بیٹھی ہوئی ایک خوب صورت سی بنگالی لڑکی کو آنکھ مارتے ہوئے لانگ فیلو کو جواب دیا۔ آنکھ مارنے کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے اتفاق سے پلک بوجھل ہو گئی ہو، لیکن وہ لڑکی اپنی جگہ پہلو بدلنے لگی۔ پھر اس نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے موٹے سے سانولے رنگ کے آدمی سے کچھ کہا اور بالے کے فرشتے کوچ کرنے لگے کیوں کہ اس سے یہ حماقت خان کی موجودگی میں سرزد ہوئی تھی، جس کا مطلب تھا 'جوتے ہی جوتے'۔ ساتھ ہی کٹے پر نمک وہ چلتا پھرتا اشتہار لونگ فیلو موجود تھا۔ وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگا کہ لڑکی اسے وہیں سے بھائی سمجھ کر معاف کر دے، لیکن جب اس نے اس سانولے رنگ کے موٹے آدمی کو اس طرف آتے دیکھا تو وہ جلدی سے کرسی سے اٹھنے لگا۔

''کہاں چلے، نورِ نظر۔ بیٹھو نا۔ بس اب رقص شروع ہو رہا ہے۔'' خان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''مم... میں... وہ بیت الخلا... وہ یعنی کہ...''

''ابھی تو اچھے خاصے تھے۔'' لانگ فیلو کچھ نہ سمجھ کر بولا۔ لیکن خان مسکرا رہا تھا۔

''بیٹ میں گڑبڑ ہو رہی ہے کچھ۔ شاید بدہضمی ہو گئی ہے۔'' بالے نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے بات بنائی۔

''بنگالی رس گلے ہوتے ہیں ثقیل ہی۔' خان پھر مسکرایا اور بالے کی رگوں میں خون منجمد ہونے لگا۔ وہ سانولا موٹا آدمی اب تو قریب آ پہنچا تھا۔ اس کے بشرے کے تاثرات سے نہ تو وہ غضب ناک معلوم ہو رہا تھا اور نہ ہی قطعی پرسکون۔ اس کا رخ سیدھا بالے کی طرف تھا۔

شاید تمہارے کوئی واقف کار ہیں۔ ممکن ہے ہونے والے خسر ہوں۔'' خان نے چھیڑتے ہوئے الفاظ میں کہا۔

''دھرم ایمان سے، کوئی غلط فہمی ہو گی۔ میں نے یہ منحوس شکل پہلے کبھی نہیں دیکھی۔'' بالے نے گڑبڑائے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

''تو اب دیکھ لو۔ جسامت سے تو پہلوان ہی معلوم ہوتا ہے۔''

لیکن بالے کے جواب دینے سے پہلے وہ قریب پہنچ گیا۔ اس نے خان اور لانگ فیلو کی طرف ایک نظر دیکھ کر، ایکسکیوزمی، کہتے ہوئے بڑے بے تکلفانہ انداز میں بالے کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کا ہاتھ کافی وزنی تھا۔ بالے کو اس کی طاقت کا اندازہ پہلے ہی آثار میں ہو گیا۔

''بیٹھیے بیٹھیے، میرے استقبال کی کیا ضرورت ہے؟'' اس نے اس کے کندھے پر وزن دے کر اسے زبردستی کرسی پر بٹھا دیا۔ اس وقت بالے عجیب تذبذب میں تھا۔ سامنے خان کی زہریلی مسکراہٹ تھی، پاس والی نشست پر لانگ فیلو نے کاغذ پنسل سنبھال لی تھی، لیکن کاؤنٹر پر طائرانہ نظر پڑتے ہی اسے جوش آ گیا۔ آخر مونجنی کے اس بے وقوف منیجر کو اس لمحے مسکرانے کی کیا ضرورت تھی۔

''فرمایئے؟'' بالے نے ہمت کر کے اس سے پوچھا۔

''آپ کو میری لڑکی پسند ہے نا؟''اس آدمی نے عجیب سا سوال کیا اور اس کا لہجہ حیرت ناک طریقے پر نرم تھا۔

''لل لکڑی...آپ قی...؟''بالے کے حلق سے پھنسی ہوئی آواز نکلی۔

''ہاں ہاں۔وہ ذرا مجھ سے کھلے رنگ کی، جس سے آپ نے ابھی اظہارِ محبت فرمایا تھا۔''اس آدمی کا لہجہ اور پراسرار ہوگیا اور اب کی بار خاں کے چہرے سے وہ طنزیہ مسکراہٹ غائب ہوگئی۔خان کو سنجیدہ دیکھتے ہی بالے کے اڑے ہوئے طوطے لوٹ آئے۔لانگ فیلو بھی اب اس آدمی کو عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا، لیکن وہ دونوں کچھ بولے نہیں۔

''محوبات۔''بالے نے حلق پھیلا کر کہا۔''کس سے؟ کب...؟''

''اوہو، آپ تو لڑکیوں کی طرح شرما رہے ہیں اس قدر ماڈرن ہو کے۔کیا آپ نے کسی امریکن کاؤبوائے کے انداز میں ابھی اسے پیامِ محبت نہیں دیا تھا؟''

''آپ کو ضرور اور...کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، قی بلا۔''

''جی نہیں۔میں قطعی سنجیدہ ہوں۔بلکہ اس سے بھی آگے۔''وہ بولا۔

''تو پھر آپ رنجیدہ ہوں گے۔''لانگ فیلو بھی بیچ میں بول اٹھا۔

''جناب، گستاخی معاف۔یہ سسر و داماد کا معاملہ ہے۔آپ اپنی ٹانگ نہ گھسیڑیں تو بہتر ہوگا۔''وہ آدمی قطعی بے جھجک انداز میں لانگ فیلو کی طرف گھوم کر بولا۔۔اس عرصے میں خان نے بالے کو آنکھ ماری اور اب بالے کا کلیجہ دو ہاتھ کا ہوگیا۔ اس کا باس ناراض نہیں تھا۔

''میری ہونے والی وائف آپ سے کیا کہہ رہی تھی؟''اس نے بڑی معصوم صورت بنا کر اس اجنبی سے پوچھا۔

''وہ کہتی تھی ایسا بے حیا مرد میں نے آج تک نہیں دیکھا۔اس نے تمہیں اسی

وقت پسند کرلیا۔''اس کا لہجہ اور پراسرار ہوگیا گیا۔

''بڑی بے حیا ہے۔''بالے نے مختصر سا جواب دیا۔

''میں لڑکی کا باپ ہوں، برخوردار۔ میری بیٹی کو کچھ کہا تو سر سہلاتے پھریے گا۔''

''وہ آپ سہلاتے ہوں گے۔ میں اس وقت صرف پوٹیٹو چپس کھاتا ہوں۔'' بالے نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''ناراض ہوگئے؟''''اس کا لہجہ پھر بدلا۔''خیر داماد جو ٹھہرے۔ اچھا چلو اٹھو۔''اس نے بالے کا بازو پکڑ لیا۔''دراصل میں خود اس لڑکی سے بہت عاجز تھا۔ کم بخت کسی امیدوار کو پسند ہی نہیں کرتی تھی۔ میں کل پرسوں تمہارا شکریہ بھی ادا کروں گا۔'' اس کا لہجہ بدستور سنجیدہ تھا۔

''آپ کیا واقعی سنجیدہ ہیں؟''لانگ فیلو نے بے وقوفانہ سوال کیا۔

''اگر آپ کو میں کچھ اور نظر آتا ہوں تو مجھے آپ کی سمجھ پر افسوس ہے۔''لانگ فیلو سے یہ کہہ کر اس نے داد طلب نگاہوں سے خان کی طرف دیکھا، لیکن خان کچھ اس طرح دوسری طرف کسی کو دیکھنے میں کھویا ہوا تھا جیسے اس نے ان کی گفتگو تک نہ سنی ہو۔

''تو جاؤ، بیٹے، کر ہی ڈالو۔ تم بھی کیا یاد کرو گے کہ قدرت نے چھپڑ پھاڑ کر دی تھی۔''لانگ فیلو نے آہستہ سے کہا۔

''کیا اسی وقت شادی کرنی پڑے گی؟''بالے نے قطعی بے وقوفانہ صورت بنا کر سوال کیا۔

''بالکل ابھی، اسی وقت۔'' سانولے موٹے آدمی کی آواز بھاری ہوگئی۔ اب اس میں تحکمانہ رنگ آچلا تھا۔

''کم سے کم میرے ڈیڈی کی اجازت تو لے لینے دیجیے۔''بالے نے اور

زیادہ معصومیت سے التجا کی۔''نہیں تو وہ مجھے ماریں گے۔''

''اپنے ڈیڈی پر لعنت بھیجو۔آج سے میں تمہارا ڈمل ڈیڈی ہوں۔چلو اٹھو۔''

''ہائے..تو چھوٹے گی نہیں...جان؟''بالے دونوں ہاتھ جھلا کر کھڑا ہو گیا۔

''گڑبڑ کرو گے تو ابھی سو شریف آدمیوں میں بے عزتی ہو جائے گی۔میری بیٹی بھری مجلس میں تمہارا گریبان تھام سکتی ہے۔''

''باپ رے...اتنی خچر ناک...اسپ...''اس نے سامنے والے کی خشمگیں نظریں دیکھ کر اپنا منہ دبا لیا۔کاؤنٹر پر منیجر اب منہ دبا کر ہنسنے لگا تھا۔شاید وہ سمجھ رہا تھا کہ اب بیٹے سارجنٹ کی مرمت ہونے والی ہے۔خان کا اشارہ پا کر بالے بے وقوفانہ انداز میں اپنے ایک ہاتھ کا انگوٹھا منہ میں چوستا ہوا اس کے ساتھ ہو لیا۔

''میں تمہیں دودھ کی شیشی بھی دلا دوں گا۔''وہ چلتے چلتے آہستہ سے بولا۔

''آپ کا شوکریہ۔خدا آپ کا بھلا کرے کہ پہلے آپ نے بیوی دی اور پھر سی۔''بالے اب پوری طرح آمادہ بہ حماقت ہو چکا تھا۔

''چل لو، ڈارلنگ۔''وہ اس لڑکی کے قریب پہنچتے ہی بے تکلفانہ انداز میں اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔لیکن اس کی اس حرکت کو شاید دوسرے نہ دیکھ سکے اور دیکھا بھی تو انھیں بے تکلف دوست سمجھ ہوں گے۔

''وہاٹ؟''لڑکی تلملا کر ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔

''یہ تمہارے ہونے والے باپ اور میرے خسر، آئی ایم سارری کچھ الٹا بول گیا۔خیر ایسا ہی کچھ سمجھ کر ان سے پوچھا۔''

''یہ کیا بات ہے، جوزی؟''لڑکی نے خشمگیں نظروں سے اس سانولے موٹے آدمی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''جوزی نہیں ڈے ڈی، یعنی کہ تمہارے باپ۔''بالے نے بڑے رومانی

انداز میں یہ کہتے ہوئے پھر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''ہائے میری سویٹ میٹ کے باپ... لاحول ولاقوۃ۔ پھر کچھ گڑبڑ... اوہاں... سویٹ ہارٹ... ہاؤ سویٹ۔'' یہ کہہ کر وہ دونوں آنکھیں بھینگی کر کے اس لڑکی کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

خان اور لانگ فیلو اپنی جگہ بیٹھے اسی طرف دیکھ رہے تھے اور خان نے تو اپنا ہنسی روکنے کے لیے رومال منہ پر رکھ لیا تھا۔ کانوں تک آواز نہ پہنچنے کے باوجود بالے کی حرکتوں اور اس کے انداز کلام سے ہی اس کے جملوں کی نوعیت کو سمجھ رہا تھا۔

''یہ سب کیا ناٹک ہے آخر؟'' اس نے جھنجلا کر اس آدمی سے سوال کیا۔

''ناٹک نہیں، میری جان۔ یہ ناٹک ہے۔ ناٹک یعنی کہ... وہ کیا کہتے ہیں اسے خوسر صاحب؟''

جملے کا آخری ٹکڑا دوسری میز تک پہنچ گیا اور وہ لوگ چونک کر ادھر دیکھنے لگے۔ باقی گفتگو اتنی آہستہ ہوئی تھی کہ آواز اسی میز تک محدود رہ گئی تھی۔

''میں ان سے تمہاری شادی کر رہا ہوں۔ ابھی، اسی وقت۔'' وہ آدمی لڑکی سے بولا۔

''یہ کیا بکواس ہے؟'' لڑکی بگڑ گئی۔ حالاں کہ سانولا موٹا اسے آنکھ سے اشارہ کر چکا تھا۔

''میں اس شیخ چلی سے شادی نہیں کروں گی۔''

''تمہارے باپ کو بھی کرنی پڑے گی، مس... مس... کیا نام ہے ان کا؟'' یہ کہہ کر وہ اس آدمی کی طرف دیکھنے لگا جو اس وقت نہ جانے کیوں مونچھ کے داخلی دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بالے کی نگاہیں وہاں تک پہنچ گئیں۔ دروازے کے سامنے باہر فٹ پاتھ پر ایک آدمی جس نے چیسٹر کے علاوہ فیلٹ ہیٹ پہن رکھا تھا، کھڑا لائٹر سے سگریٹ سلگا رہا تھا۔ فیلٹ ہیٹ کے جھکے ہوئے سرے نے اس کے چہرے کو نظر

Akram Allahabadi

سے چھپا لیا تھا۔

''میں نہ چلی کا رہنے والا ہوں نہ شیخ ہوں۔ میں خالص شہنشاہ بابر کی نسل کا چق چق زئی پٹھان ہوں، مائی ہونے والی...'' بالے نے یہ کہہ کر ایک نظر خان کی طرف دیکھا اور اس کے اشارتے کو سمجھتے ہوئے پھر منہ پھیر لیا۔

''ڈیڈی، آپ ظلم کر رہے ہیں اس بے چارے پر۔'' غیر متوقع طار پر اس لڑکی کا لہجہ بدل گیا۔

''نہیں، میرا فیصلہ اٹل ہے، چلو اٹھو۔''

اور لڑکی بے چون وچرا اٹھ گئی۔

''میرے ہونے والے شوہر ڈیئر۔'' اس نے یہ کہتے ہوئے بالے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال دیا۔

''ہائے، میں بے ہوش ہو جاؤں گا۔ ذرا پھر سے کہو۔'' بالے اس کے ساتھ چلتے ہوئے لہرا کر بولا۔ اور اب مونجنی کے منیجر کی آنکھیں حیرت سے پھیل چکی تھیں۔ وہ دل جلا تو خدا سے دعائیں کر رہا تھا کہ آج بالے کی اتنی مرمت ہو جائے کہ اس کی تمام پچھلی شیخیوں کی تلافی ہو جائے، مگر وہاں تو معاملہ ہی الٹا نظر آ رہا تھا۔

''جیسے ہی ہوٹل کے دروازے سے باہر نکلے، خان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں بھی چلوں؟'' لانگ فیلو نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔ تم یہیں ٹھہرو۔ میں آتا ہوں۔'' یہ کہہ کر خان سامنے والے دروازے کی بجائے ہال کو عبور کر کے کاؤنٹر کے پاس سے ہوتا ہوا پچھلے دروازے سے گزر کر ہوٹل کے پچھلے حصے کی طرف نکل آیا۔ پھر جب پچھلا بغیچہ عبور کر کے اس نے چار دیواری سے سر اونچا کر کے باہر دیکھا تو منظر ہی کچھ اور تھا۔ بالے شاید کسی اچانک ضرب

یا کسی اور چیز سے بے ہوش ہو چکا تھا اور وہ دونوں ایک تیسرے آدمی کی مدد سے اسے ہوٹل کے دروازے سے کچھ دور کھڑی ہوئی ایک سیاہ رنگ کی کار میں ڈال رہے تھے۔ پھر وہ تینوں لمبی کار میں بیٹھ گئے اور ایک نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ گاڑی کے سامنے سے گزرتے ہی خان نے جست کی اور احاطے کی دیوار کو عبور کرتا ہوا باہر آ گیا۔

اسے صرف دوسری طرف سے آتا ہوا ہوٹل کا دربان دیکھ سکا جو اسے اچھی طرح پہچانتا تھا۔ وہ سلام ہی کرتا رہ گیا۔

''تم کہاں گئے تھے؟'' خان نے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے ایک آدمی نے سامنے سے سگریٹ لانے کو بھیجا تھا، صاحب۔''

''کہاں گیا وہ؟''

''ابھی تو یہیں تھا۔'' دربان نے معصومیت سے کہا۔

''وہ جہنم میں گیا۔'' خان جھنجلائے ہوئے انداز میں یہ کہتا ہوا اپنی کار کی طرف لپکا لیکن پھر کچھ سوچ کر پلٹ پڑا۔ سامنے سے ایک ٹیکسی آ رہی تھی۔ خان نے ہاتھ دکھا کر اسے روک لیا اور دروازہ کھلتے ہوئے پچھلی نشست پر جا گرا۔

''اس گاڑی کا پیچھا کرو۔ وہ کالے رنگ کی جو دور جا رہی ہے۔''

ٹیکسی ڈرائیور نے بغیر کچھ کہے گاڑی کو تعاقب میں ڈال دیا اور ٹیکسی تیزی سے دوڑنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

جھانکتی موت

ریکس سنیما میں صرف انگریزی فلمیں ہی دکھائی جاتی تھیں، اس لیے یہاں زیادہ تر مہذب قسم کے تعلیم یافتہ لوگ ہی آتے تھے۔ اس ہفتے سنیما میں 'وائلڈ نارتھ' نامی فلم چل رہی تھی اور شاید یہاں کے لوگوں کو اس سے زیادہ دلچسپی نہ تھی، کیوں کہ بکنگ پر سناٹا سا نظر آتا تھا۔

بہرحال آدمی کم آئیں یا زیادہ پکچر کو اپنے وقت پر شروع ہونا تھا اور وہ ہوگئی۔ اس وقت شام کے ٹھیک ۶ بجے تھے۔ باہر ٹہلتے ہوئے دو چار آدمی شاید اب تک یہ فیصلہ نہ کر سکے تھے کہ وہ اس پکچر کو دیکھیں یا نہ دیکھیں اور کچھ دیر بعد وہ بھی یکے بعد دیگرے رخصت ہو گئے۔

سنیما کے برآمدے میں دیوار پر لگے ہوئے برقی کلاک کی سوئیاں جس وقت ۶ بج کر پندرہ منٹ پر پہنچ رہی تھیں، باہر ایک چھوٹ سی ٹیالے رنگ کی کار آ کر رکی۔ کار سے اترنے والا ایک سیاہ سوٹ میں ملبوس پستہ قد آدمی تھا، جس نے بدن پر بھاری اوور کوٹ اور سر پر فیلٹ ہیٹ لگا رکھی تھی۔ کار کو فٹ پاتھ کے کنارے لگا کر وہ بکنگ کاؤنٹر پر آ گیا۔ بالکونی کا ٹکٹ دو روپے دس آنے تھا۔ بکنگ کلرک نے اس کے پانچ روپے کے عوض اسے ٹکٹ دینے کے بعد دو روپے چھ آنے کی چینج دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو وہ جا چکا تھا۔ کچھ عجیب سا منہ بنا کر کلرک نے وہ پیسے حساب سے الگ دراز میں ڈال دیے۔ اس وقت تک نووارد بالکونی کے گلاس میں پہنچ چکا تھا۔ یہاں اس نے گنے پانچ چھ آدمی اور تھے جو انہماک سے پکچر دیکھ رہے تھے۔ وہ پیچھے ہی سب سے الگ ایک نشست پر بیٹھ گیا۔

انڈین نیوز ریل اور چند تجارتی اشتہاری ٹریلرز کے ساتھ کولمبیا کی ایک ٹریلر

کلک فلم دکھانے کے بعد انٹرول ہوگیا۔ بالکونی میں بیٹھے ہوئے آدمیوں میں سے صرف ایک نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ اس وقت وہ پستہ قد آدمی باہر نکل رہا تھا، اس لیے وہ صرف اس کی پشت دیکھ سکا۔ انٹرول میں بالکونی سے کوئی بھی ٹہلنے باہر نہ نکلا۔ وہ لوگ وہیں چھت گیر پنکھوں کے نیچے پیر پھیلا کر اپنی نشستوں پر نیم دراز ہو گئے تھے۔ انٹرول کا وقفہ ختم ہوتے ہی اصل پکچر 'وائلڈ ناریتھ' شروع ہوگیا۔ پستہ قد آدمی برآمدے میں کچھ دیر کھڑے رہ کر لوٹ آیا تھا۔ اصل پکچر میں سنیما بینوں کا انہماک زیادہ تھا اور ان میں سے کوئی بھی یہ محسوس نہ کر سکا کہ پچھلی نشست پھر خالی ہوگئی ہے۔

بالکونی کے باہر ایک دروازہ نما حصہ تھا جس کے وسط میں وہ کیبین تھی، جس میں سنیما کے پروجیکٹر لگے ہوئے تھے۔ مقابل دیوار میں چوڑی چوڑی کھڑکیاں تھیں جو باہر کی طرف کھلتی تھیں اور نیچے سڑک، جس کے اس پار وہ احاطہ تھا جس میں برنانڈو کا بنگلا تھا۔ برنانڈو کے بنگلے کا سامنے والا کمرہ جو شاید ڈرائنگ روم تھا روشن نظر آ رہا تھا۔ پستہ قد آدمی نے اس دالان نما حصے میں ٹہلتے ہوئے ایک بار کیبین کے قریب پہنچ کر دروازے کی اوٹ سے اندر جھانکا۔ دونوں آپریٹر اپنے کام میں مشغول تھے۔ ایک شاید دوسرے پروجیکٹر پر ریل چڑھا رہا تھا اور دوسرا زیرِ عمل پروجیکٹر کے نزدیک کھڑا کاربن چیک کر رہا تھا۔ پستہ قد آدمی بلی جیسے دبے قدم رکھتا ہوا لوٹ کر ایک کھلی کھڑکی میں آ کھڑا ہوا۔ اس طرف روشنی کا مدھم انعکاس پڑ رہا تھا۔ اس کھڑکی سے بالکونی کے کھلے ہوئے دروازے سے ہوتی ہوئی اس کی نظر بار بار اسکرین پر بھی پہنچ جاتی جہاں اس وقت برفستانی پہاڑ پر اسٹیورٹ گرینجر پولیس کانسٹیبل کے ساتھ برفستانی بھیڑیوں سے لڑ رہا تھا۔

پستہ قد آدمی نے اپنے اوورکوٹ کے بٹن کھول ڈالے۔ اندر کوٹ تھا۔ اس کے بٹن بھی کھولنے پر اس کی کمر میں بندھی ہوئی ایک چمڑے کی پیٹی چمکنے لگی۔ پھر اس نے

بغل کی طرف ہاتھ ڈال کر جب باہر نکالا تو اس کے ہاتھ میں ایک 'پی جی' فولڈنگ گن کا صرف کندہ تھا۔ دوسری بار ہاتھ ڈال کر اس نے ٹرائیگر پیس بھی نکال لیا۔ دوسری بغل میں ہاتھ ڈال کر جب اس نے ہاتھ باہر کھینچا تو اس میں رائفل کی نال چمک رہی تھی۔ بڑی پھرتی سے اس نے تینوں ٹکڑے جوڑ ڈالے اور بے قراری سے بار بار کبھی اسکرین کی طرف اور کبھی نیچے سڑک کے اس پار سامنے برنا نڈو کے بنگلے کے ڈرائنگ روم کی کھلی کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ سنیما کے پردے پر دکھائے جانے والے اس منظر میں جیسے اسی بندوق کے چلنے کی آواز پیدا ہوتی ویسے ہی پستہ قد آدمی کی انگلی اپنے بندوق کے ٹرائیگر پر پہنچ جاتی۔ لیکن برنا نڈو کے ڈرائنگ روم کی کھڑکی میں اب تک کوئی دکھائی نہیں دیا تھا۔ اچانک اس کی خوف ناک شیطانی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس کھڑکی میں کسی کا سایہ پڑ رہا تھا اور جیسے ہی پستہ قد آدمی نے اپنے ٹرائیگر پر انگلی رکھتے ہوئے فلم کا منظر سے بندوق کے ایک اور فائر کی آواز سنی ویسے ہی وہ نیچے نشانہ باندھنے لگا۔ مگر اسے ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔ نیچے کھڑکی تک ٹہل کر آنے والا انسپکٹر ڈیسوزا تھا جو کھڑکی کے باہر سے رؤف کو بلا کر کچھ پوچھ رہا تھا۔ وہ پھر پیچھے ہٹ گیا اور رؤف ٹہلتا ہوا بنگلے کے پچھلے حصے کی طرف چلا گیا۔

پستہ قد آدمی کو اب اسی طرح تذبذب کے عالم میں کھڑے کھڑے کئی منٹ گزارنے پڑے۔ وہ کافی محتاط نظر آ رہا تھا اور ایک بار تو اسے جیسے ہی کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی وہ زبردستی کھانسنے لگا، جیسے کھلی کھڑکی تک صرف باہر تھوکنے آیا ہو۔ لیکن نیچے سے اوپر آنے والے نے اس کی طرف توجہ بھی نہ کی۔ اس نے آپریٹر کے پاس جا کر کچھ کہا اور پھر واپس چلا گیا۔

اطمینان کی لمبی سانس لیتے ہوئے پستہ قد آدمی پھر کھڑکی پر جھک گیا۔ یہ اسکی خوش قسمتی تھی یا بدقسمتی کہ ٹھیک اس وقت جب فلم کے منظر میں اسٹیوارگرینجر کو طوفانی دریا

کے راستے واپس لاتے وقت دھارے میں کشتی کے بہاؤ کے ساتھ گرینجر نے کانسٹیبل کو مارنے کے لیے بندوق اٹھائی، نیچے برنانڈو کے ڈرائنگ روم کی کھڑکی سے جو سایہ اندر کی روشنی میں کھڑا نظر آیا وہ برنانڈو تھا۔ اور ٹھیک اسی وقت جب گرینجر نے کانسٹیبل پر بندوق سے فائر کیا، پستہ قد آدمی کی رائفل سے ایک باریک شعلہ نکلا اور برنانڈ واٹر کھڑا کر اپنے کمرے فرش پر گرتا نظر آیا۔ گولی سنیما کی کھڑکی سے نکل کر سڑک پر کرتی ہوئی برنانڈو کے ڈرائنگ روم کی کھلی کھڑکی سے گزر کر اس کے سینے پر پڑی تھی۔ پستہ قد آدمی نے بندوق کے تین ٹکڑے کرتے ہوئے بیرل کا دھواں پھونکا اور پھرتی کے ساتھ اسی طرح تینوں ٹکڑے اپنی دونوں بغلوں کی طرف اس پٹے میں لگا کر کوٹ کے بٹن اور اس کے اوپر اوورکوٹ کے بٹن لگا لیے۔ پھر وہ پنجوں کے بل چلتا ہوا بالکونی کلاس میں داخل ہو کر چپکے سے اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ سنیما دیکھنے والوں میں سے کسی نے اس کی طرف پلٹ کر بھی دیکھا۔ انھیں اتنی بھی خبر نہ تھی کہ بندوق کہاں چلی تھی۔ سنیما کے پردے پر فلم کے منظر میں یا ...

کچھ دیر بعد پکچر ختم ہو گیا اور پستہ قد آدمی اوورکوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے دوسرے آدمیوں کے ساتھ ٹہلتا ہوا نیچے اترنے لگا۔ اس کے قدم بتدریج تیز ہوتے جا رہے تھے، لیکن جیسے ہی وہ نیچے سنیما کے نچلے برآمدے میں پہنچا کسی کی آواز نے اسے اس طرح چونکا دیا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

''مسٹر... یہ آپ کے باقی دو روپے چھ آنے۔''

لیکن وہ شاید اب ایک سیکنڈ بھی رکنا نہ چاہتا تھا۔ اسنے صرف ایک نظر بکنگ کلرک کی طرف دیکھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔ بکنگ کلرک پھر ایک بار اس کے اس رویے پر خود ہی حیران کھڑا رہ گیا۔ سامنے والے احاطے میں ڈیسوزا، رؤف اور ان کے دونوں آدمی اب تک گولی چلانے والے کو تلاش کر رہے تھے اور اندر روزو کی دبی دبی

سسکیاں گونج رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆

ڈارلنگ بے نام ونگ، ہم کہاں چل رہے ہیں؟'' بالے نے ان دونوں خوف ناک آدمیوں کی گرفت میں پھنسے پھنسے آگے اسٹیرنگ سیٹ کے پاس والی نشست پر بیٹھی ہوئی اس لڑکی کو بڑے رومانی لہجے میں مخاطب کیا۔

''جہنم میں۔'' وہی سیاہ فام آدمی جو اب کار ڈرائیو کر رہا تھا پلٹ کر بولا۔

''ہائیں، کیا وہاں بھی شہد کا چاند ہوتا ہے؟''

''چپ بیٹھو۔'' پاس بیٹھے ہوئے آدمیوں میں سیایک نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''تم خود چپ بیٹھو جی۔ ہم اپنی وغیرہ وغیرہ سے ہنی مون کی بات کر رہے ہیں۔'' بالے کا لہجہ اس وقت بھی اتنا ہی تمسخرانہ تھا جتنا موقعے میں۔

''بیٹا، تھوڑی دیر میں سارا چہکنا بھول جاؤ گے۔'' دوسرا بھی بولے بغیر نہ رہ سکا۔

''کیا تم ہماری گھر والی کے بھائی ہو؟'' بالے نے اسے غور سے دیکھ کر پوچھا۔ پھر وہ اس لڑکی کے بالوں کو پیچھے سے چھیڑتے ہوئے بولا۔ ''کیوں ڈارلنگ، یہ وہی ہیں نا، ہمارے سالے صاحب؟''

''شٹ اپ۔'' لڑکی نے وہیں بیٹھے بیٹھے اسے ڈانٹا۔

''تم خود شٹ اپ۔ شوہر سے اس طرح گفتگو کی جاتی ہے بھلا۔''

''اے مسٹر۔'' وہ اب اس سانولے رنگ کے آدمی سے مخاطب ہوا۔ ''سمجھا لو اپنی لونڈیا کو، ورنہ میں چلتے پھرتے طلاق دے دوں گا۔''

Akram Allahabadi

''اس کا منہ بند کردو۔'' اس آدمی نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔

''اہاہا، لڑکی کیا دی ہے بس باپ بن گئے۔ یعنی کہ ہماری شرافت کا ناجائز...'' لیکن وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ ایک آدمی نے اس کا منہ بند کر دیا۔ بالے نے کچکچا کر اس کی ہتھیلی میں اس زور سے کاٹا کہ وہ تلملا اٹھا۔ اور بالے اس کی پرواہ کیے بغیر پھر اس لڑکی کے بالوں میں اپنی انگلیوں سے کنگھی کرنے لگا۔

''ڈارلنگ، اپنے باپ سے کہو ہمیں ہنی مون منانے کے لیے شکر قند لے چلیں۔ شکر قند... شک... اونہیں، ثمر قند۔ لاحول ولاقوۃ۔ کتنا کم زور ہے اپنا جغرافیہ بھی۔ ویسے آپ کا جغرافیہ کیا ہے، سالے صاحب؟''

وہ یہ کہتے کہتے پھر اس آدمی سے مخاطب ہو گیا جس کے ہاتھ میں ابھی ابھی اس نے کاٹا تھا۔ وہ اب غصے میں آ کر بالے کے جبڑے پر گھونسا مارنے ہی والا تھا، مگر بالے بڑی پھرتی سے پیچھے نشست کی پشت سے جا لگا اور اس آدمی کا گھونسا بالے کی بجائے اپنے ساتھی کے جبڑے پر اس زور سے پڑا کہ اس کا سر کھڑکی کے سیاہ بند شیشے سے جا ٹکرایا۔

''اب اگر کوئی حرکت کی تو تمہاری لاش تڑپتی نظر آئے گی۔'' اس لڑکی کی کڑکتی آواز بالے کو سنائی دی اور اس نے اس کی طرف گھوم کر پستول نکال لیا تھا۔

''ارے تو تم بیوہ ہونا چاہتی ہو۔ چچ... چچ... ابھی تو دو بچے ہونے ہیں۔''

''جوزی!'' لڑکی چیخ اٹھی۔ ''میں اس بندر کی حرکتیں اب برداشت نہیں کر سکتی۔'' وہ درمیان میں غصے سے چیخ اٹھی۔

''اخ... خاہ... دھندے چورو کے اور دماغ آسمان پر۔'' بالے کو اس کا یہ نخرہ سنجیدگی کے ساتھ ناگوار گزرا۔

''بس تھوڑی دیر اور، بے بی۔ چھک لینے دو پانچ دس منٹ۔'' سانولے رنگ

کے آدمی نے اسے سمجھایا۔

''اب کے اس نے بکواس کی تو میں اسے گولی مار دوں گی۔''لڑکی نے یہ کہہ کر منہ پھیر لیا۔

''ہاں، مار دو، تمہارے باپ کا راج ہے۔''بالے نے احمقانہ انداز میں منہ بنا کر کہا۔''میں نہیں اڑا دوں گا ایٹم بم سے۔''

''وہ ٹیکسی...''ان میں سے ایک نے سانولے رنگ کے آدمی کو اشارہ کیا۔

''ٹھیک آ رہی ہے، آنے دو۔''وہ مختصراً بولا۔

خان کی ٹیکسی اب اگلی کار سے بمشکل نصف فرلانگ کے فاصلے پر تھی۔

''صاحب، کوئی کار اپنا بھی پیچھا کر رہی ہے۔''ٹیکسی ڈرائیور نے خان کی توجہ پیچھے کی طرف مبذول کرائی۔خان نے پچھلے ونڈ اسکرین سے دیکھا۔واقعی ایک اور لمبی سی کار ان کا تعاقب کر رہی تھی۔

''آنے دو، تم رفتار اور بڑھا دو۔''خان نے اسے ہدایت کی اور اس نے رفتار اور بڑھا دی، لیکن جس وقت ان کی کاریں شہر کے آبادی والے علاقے سے گزر کر سونی اور نیم تاریک سڑک پر دوڑنے لگی تو خان نے ٹیکسی ڈرائیور کو ہدایت کی کہ وہ پچھلی گاڑی کو گزرنے کے لیے سائڈ دے۔ڈرائیور نے گاڑی کی رفتار کچھ دھیمی کرتے ہوئے ہاتھ باہر نکال کر پچھلی کار کو گزر جانے کا اشارہ کیا، لیکن خلافِ توقع وہ گاڑی آگے بڑھنے کی بجائے قریب آ کر آہستہ ہو گئی۔اس میں صرف دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔گاڑی کسی پرانے ماڈل کی اور بدزیب سی تھی۔وہ جیسے ہی قریب سے گزرنے لگی، خان نے خود کو پچھلی نشست سے نیچے گرا لیا۔ورنہ ایک سنسناتی ہوئی ریوالور کی گولی اس کا سر توڑ گئی ہوتی۔پھر لگاتار تین فائر ہوئے اور وہ گاڑی آگے بڑھ گئی۔گولیاں چلتے ہی ٹیکسی ڈرائیور کا ہاتھ بہک گیا اور گاڑی سڑک چھوڑ کر کنارے کے ایک درخت سے جا ٹکرائی۔اس کی

رفتار اگر پہلے ہی آہستہ نہ کر دی گئی ہوتی تو شاید وہ چور چور ہو گئی ہوتی ۔لیکن ونڈ اسکرین کے شیشے کے ٹوٹ کر بکھرنے سے ٹیکسی ڈرائیور معمولی زخمی ہو کر بے ہوش ہو گیا ۔ٹیکسی ڈرائیور کی حالت خطرناک نہ تھی ۔خان گاڑی سے نکل کر تیزی کے ساتھ سڑک کے کنارے کنارے دوڑنے لگا ۔لیکن وہ دونوں گاڑیاں اس کی دسترس سے دور جا چکی تھیں اور اس سونی سڑک پر کسی دوسری گاڑی کے جلد مل جانے کا امکان نہ تھا ۔وہ پھر بھی دوڑتا رہا ۔اسے اس وقت بالے کا خیال ستا رہا تھا ۔اس کا تعاقب کرنے والوں نے جب کہ وہ خود اس اگلی گاڑی کا تعاقب کر رہا تھا ، آج ایک نیا طریقہ استعمال کیا تھا ۔راستے کی ہر تبدیلی پر گاڑیاں بدلتے جاتے تھے یا ممکن ہے ایسی گاڑی اور ان میں ایک دو آدمی مقررہ راستے کے ہر موڑ پر موجود رہے ہوں اور ہر پچھلی گاڑی کا اشارہ پا کر پہلے سے کھڑی ہوئی گاڑی اس کے تعاقب میں چل پڑی ہو ورنہ خان کو دھوکا دینا کوئی آسان کام نہ تھا ۔

پیچھے سے آتی ہوئی کسی دوسری گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی دیکھ کر وہ سڑک کے کنارے کو چھوڑ کر خود رو جھاڑیوں کی آڑ لے کر دوڑنے لگا ۔ یہ راستہ ناہموار ضرور تھا لیکن ایسا بھی نہیں کہ اس کے قدم روک دے ۔اچانک سرچ لائٹ کی تمتماتی ہوئی روشنی جھاڑیوں سے گزر کر اس کے بدن پر پڑی ۔وہ بڑی پھرتی سے وہیں زمین پر لیٹ گیا ۔ آنے والی کار کی رفتار دھیمی ہو گئی اور اس کی سرچ لائٹ بار بار اسی سمت میں آگے پیچھے گھومنے لگی ۔شاید وہ اسے ابھی تک نہ دیکھ سکے تھے ۔

''ضرور یہیں کہیں ہو گا ۔میں نے ابھی ایک سایہ سا بھاگتے دیکھا تھا ۔'' خاں نے ان میں سے کسی کو کہتے سنا ۔

''تو پھر سڑک سے نیچے اتر کر تلاش کرو ۔'' دوسرا بولا ۔

''وہ بہت خطرناک ہے ۔ٹرائیگر پر ہر وقت انگلی رکھنا ۔'' تیسرے نے رائے دی ۔اور وہ تینوں کار روک کر نیچے اتر گئے ۔ان کے پاس لمبی لمبی ٹارچز تھیں ۔اور یقیناً

ٹارچ کی روشنی میں خان کا انکی نظر سے بچ جانا اب مشکل معلوم ہو رہا تھا۔ اور ان میں سے ایک آدمی ت اپنی ٹارچ چمکاتا اسی طرف آرہا تھا۔ یہ گھٹنوں تک اونچی خودرو جھاڑیاں اب خان کو بچا نہیں سکتی تھیں۔ پھر بھی وہ زمین پر رینگتے ہوئے ان کی آڑ میں ہو گیا اور اس نے زمین پر پڑا ہوا ایک پتھر اٹھا کر سامنے والی جھاڑیوں کی طرف پھینکا۔ کھٹکے کی آواز سنتے ہی وہ آدمی اس جھاڑی کی طرف دوڑ پڑا۔ یہی ایک موقع تھا جب کہ کچھ کیا جا سکتا، اور اس سے پہلے کہ وہ آدمی اپنے شبے کی بنا پر اس جھاڑی پر فائرنگ کرے اور اس کے ساتھی فائرنگ کی آواز سے اس طرف متوجہ ہوں۔ خان نے ایک جست کی اور اس پر ٹوٹ پڑا۔ بے خبری کے عالم میں وہ اس حملے کو برداشت نہ کر سکا اور نیچے آرہا۔ خان نے اسے ہلنے جلنے یا چیخنے چلانے کی مہلت بھی نہ دی۔ ریوالور کے دستے کی دو ضربوں نے اسے ہوش کی دنیا سے دور کر دیا۔ خان اسے جھاڑی کی آڑ میں گھسیٹ لایا۔ اس نے اس کا گہرے سرخ رنگ کا کوٹ اتار کر خود پہن لیا اور اس کی اسپورٹس کیپ سر پر لگاتے ہوئے اسے جھاڑی میں چھوڑ کر خود اس کی ٹارچ لیے آگے کی طرف دوڑنے لگا۔

''کیا ملا؟'' دور سے دوسرے ساتھی نے چیخ کر پوچھا۔

''ہاں ... اُدھر...'' خان نے انھیں آگے ڈھلوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آواز بدل کر جواب دیا۔ اور وہ بے تحاشا ڈھلوان کی طرف دوڑ پڑے۔ خان نے ٹارچ بجھا دی اور سڑک کی طرف دوڑا۔ اس کا اندازہ صحیح نکلا۔ ڈیش بورڈ میں چابی لگی ہوئی تھی۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور ان لوگوں کو اس کی خبر اس وقت جب کار زناٹے کے ساتھ ان کے درمیان سڑک سے گزر گئی۔ وہ اس پر لگاتار فائرنگ کرتے رہ گئے۔

ایک کو بے ہوش کر دینے کے بعد وہ اب صرف دو تھے اور کان چاہتا تو ان سے اکیلا بآسانی نپٹ سکتا تھا۔ لیکن اس وقت اسے آگے جانے والی کار تک پہنچنے کی جلدی

تھی۔ وہ بالے کے لیے فکرمند تھا۔

ذرا دیر میں رفتار کے میٹر کی سوئی ۶۰ تک پہنچ گئی اور اگر یہ سڑک ستھری اور ہموار ہوتی تو شاید اس رفتار پر گاڑی زمین سے اچھل اچھل جاتی۔

بالآخر تقریباً پندرہ منٹ کے بعد اسے آگے جاتی ہوئی وہ کار نظر آ گئی جس میں بالے کو لے جایا جا رہا تھا۔ البتہ پیچھے سے آنے والی اسے اس دوسری کار کا پتا نہ تھا جس نے ٹیکسی کے قریب سے گزرتے ہوئے اس پر گولیاں چلائی تھیں۔

اور جس وقت وہ کار ایک ایسی سڑک پر گھومنے لگی جو شمالی علاقے سے ہوتی ہوئی پھر شہر کی طرف آتی تھی تو خاں کے ذہن میں ایک نیا خیال رینگنے لگا۔ ''کہیں برنانڈو سے دور رکھنے کے لیے تو انھیں اس طرف نہیں الجھایا گیا؟'' یہ سوچتے ہی وہ چونک پڑا۔

اس وقت وہ دو طرفہ الجھاؤ میں پڑ گیا تھا۔ ایک طرف بالے اور دوسری طرف برنانڈو۔ ویسے اسے کسی حد تک ڈیسوزا کی موجودگی پر یہ امید تھی کہ برنانڈو کو تھمۂ تر کی طرح ہضم نہ کیا جا سکے گا اور سچ تو یہ ہے کہ اس وقت سے پہلے وہ برنانڈو کو دی گئی دھمکی کو زیادہ اہمیت بھی نہیں دے رہا تھا، لیکن اس وقت کے حالات نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا کہ یہ برنانڈو کا بیان کردہ وہ خوف ناک سیاہ رو انسان کوئی معمولی مجرم نہیں۔ وہ ضرور سولیج اور پراسرار ذرائع کا حامل اور کافی چالاک ہے۔ یہاں تک کہ وہ آدمی یا وہ لوگ غالباً اس درجہ معلومات رکھتے تھے کہ خان یا بالے کی موجودگی میں برنانڈو کو موت کے گھاٹ اتار دینا اتنا آسان نہیں جس قدر دوسروں کے ہوتے ہوئے۔

اب تمام بات بڑی آسانی سے خان کی سمجھ میں آ گئی۔

اچانک آگے جانے والی کار ایک جگہ رک گئی۔ خان نے دور سے دیکھا، وہ لوگ کسی کو کار تے اتار رہے تھے اور وہ بالے کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے دو آدمی دونوں طرف سے تھامے ہوئے تھے۔ پھر اسے بیچ سڑک پر اس طرح لٹا دیا گیا کہ

کم از کم کسی کار کے لیے اسے کچلے بغیر گزرنے کا راستہ تو نہیں رہ گیا۔ وہ دونوں پھر تیزی سے اس گاڑی میں جا بیٹھے اور گاڑی روانہ ہوگئی۔ خان کے لیے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اپنی کار روک دے۔ وہ کار سے اترتے ہی سڑک پر پڑے ہوئے آدمی کی طرف دوڑا۔ وہ بالے ہی تھا جس کے ہاتھ پشت پر سفید تلی سے باندھ دیے گئے تھے۔ پیر بھی بندھے ہوئے تھے اور منہ میں رومال ٹھونس دیا گیا تھا۔ اسے کھولنے اور گاڑی پر سوار کرنے میں کم از کم پانچ منٹ ضرور لگ گئے۔

بالے کو ساتھ لے کر خان نے کار کی رفتار اور تیز کر دی۔

''وہ لوگ شاید اب نہیں ملیں گے۔'' وہ بڑبڑایا۔

''یہ سالے آخر چاہتے کیا تھے؟ یہاں تک مجھے بٹھا کر لائے اور سڑک پر چھوڑ گئے۔'' بالے نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔ ''عجیب مسخرے ہیں۔''

''الو، وہ تمہیں اس پچھلی کار سے کچلوانے کے لیے سڑک پر پڑا چھوڑ گئے تھے۔'' خان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''کچلوں... اور وہ بھی آپ سے!'' بالے نے گویا مذاق اڑایا۔

''جس کار پر میں آ رہا ہوں یہ کار ان کے ہی آدمیوں کی ہے۔ وہ سمجھے ہوں گے کہ مجھے تو راستے میں گولیوں کا نشانہ بنا دیا گیا ہوگا اور تمہیں اپنی گولیوں کا نشانہ بنانے کے لیے اس ویرانے تک لانا تھا۔''

''ناممکن... میں ان کی لڑکی کا داماد، لاحول ولاقوۃ، یعنی لڑکی کا وہ ہوں۔''

''بکو مت۔''

''میں اس وقت دیو داس بننے کی موڈ میں ہوں۔ ہائے، بالم آن بسو لندن میں۔''

''شٹ اپ، یہ بے ہودگی کا موقعہ ہے؟'' خان اسے ڈانٹ کر گھورنے لگا۔

''مم...مرغ دل مت رو یہاں...آنسو بہانا...''

''تم چپ نہیں بیٹھو گے؟'' خان کو واقعی غصہ آ گیا۔

''آئی ایم چپ، سر۔'' بالے نے خود اپنے ہاتھ سے اپنا منہ بند کر لیا۔

''ضرور برنانڈو بھی خطرے میں ہوگا۔ایک تیر دو شکار والا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔''

''شکار تو ایک میں ہی بدنصیب ہوا ہوں۔''

''تم گاڑی سے اترو۔''

''اچھا اب نہیں بولوں گا۔''

''نہیں۔بس اتر جاؤ۔'' خان نے کار شہر کے چنگی والے ناکے پر روکتے ہوئے کہا۔

''آپ سچ مچ ناراض معلوم ہو رہے ہیں۔''

''یہاں سے کوئی ٹیکسی پکڑ کر تم سیدھے موہنجی جاؤ اور وہاں سے میری کار لے کر برنانڈو کے مکان پر پہنچو۔بے ہوش ٹیکسی ڈرائیور کا انتظام کر کے اور مشتبہ کار کا پتا لگا کر برنانڈو کے مکان پر پہنچتا ہوں۔''

''اس وقت رات کے ۱۰ بجے یہاں ٹیکسی کہاں ملے گی؟'' بالے نے برا سا منہ بنایا۔

''بہت مل جائیں گی اسٹینڈ پر۔'' یہ کہہ کر خان نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

تفتیش

کان تقریباً ایک گھنٹے بعد واپس لوٹا۔ وہ کار یا ان میں سے کوئی مشتبہ شکل اسے کہیں نظر نہ آئی۔ ٹیکسی ڈرائیور معمولی فرسٹ ایڈ کے بعد ٹھیک ہو گیا تھا۔ کار کو زیادہ نقصان نہ پہنچا تھا۔ خان کے پاس اس وقت اگر اپنی کار ہوتی تو وہ وائرلیس سے وائرلیس پٹرول پولیس اور دوسرے پولیس اسٹیشنوں کو بھی فوراً باخبر کر دیتا کہ اس قسم کی گاڑی اور آدمیوں کو تلاش کیا جائے۔ باہر آثار بھی ایسے نہ تھے کہ یہ کوشش کامیاب ہو سکے گی۔ ادھر برنانڈو کی فکر بھی اسے پریشان کیے ہوئے تھی۔ وہ اسے حفاظت کا وعدہ دے چکا تھا۔ اس نے ایک چھوٹے پولیس اسٹیشن کے سامنے کار روک دی۔ پولیس اسٹیں والوں کے لیے یہ کار پہچانی ہوئی نہ تھی، اس لیے انھوں نے اس کی طرف نظر بھی نہ کی، لیکن جب گاڑی سے اترنے والا اسی طرف آنے لگا تو یے بعد دیگرے ان کی ایڑیاں بجنے لگیں۔ وہ شعبۂ سراغ رسانی کے انچارج سپرنٹنڈنٹ کو اس طرح اچانک سر پر دیکھ کر گھبرا گئے۔ پولیس اسٹیشن کا انچارج ڈپٹی انسپکٹر ایک کانسٹیبل سے خبر پاتے ہی گھبرایا ہوا باہر نکل آیا اور کان کو سلام کرتا ہوا اٹینشن کھڑا ہو گیا۔

''مجھے ذرا فون کرنا ہے؟'' خان نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''یہ حاضر ہے۔'' ڈپٹی انسپکٹر نے نلدی سے اپنے آفس کے دروازے کی چق اٹھا کر مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ اور جب خان اس کے آفس میں داخل ہو گیا، تب عملے کی جان میں جان آئی۔ سب سے زیادہ خوف زدہ وہ بوڑھا محرر تھا جس نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر ابھی ابھی ذرا سی افیون داڑھ میں دبائی تھی۔ اسے سپرنٹنڈنٹ اس وقت کسی آدم خور دیو سے کم نہیں نظر آیا۔

''ہیلو۔''خان نے ڈائل رنگ کرتے ہوئے کہا۔''کون ہے ادھر؟''اس نے پوچھا۔

''مم... میں رؤف بول رہا ہوں، سر۔'' دوسری طرف سے رؤف کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔وہ خان کی آواز پہچان گیا تھا۔

''کیا بات ہے، مسٹر برنانڈ وتو خیریت سے ہیں؟''خان نے سوال کیا۔

''وہ...وہ گولی سے ہلاک ہو گئے۔''رؤف نے بتایا۔

''گولی سے...؟ کیسے...؟''

''یہ اب تک سمجھ میں نہیں آسکا ہے۔واقعہ رات کو ساڑھے آٹھ بجے پیش آیا، جب اچانک ٹہلتے ٹہلتے وہ فرش پر اوندھے گر پڑے۔گولی ان کی پیٹھ میں پڑی تھی اور سینہ توڑ گئی۔ہم لوگوں نے بنگلے اور اس کے آس پاس کا کونہ کونہ چھان مارا، کسی کا پتا نہیں چلا۔ہمارے دو آدمی بنگلے کے باہر اور پیچھے پوری طرح مستعد موجود تھے اور خود پورے بنگلے میں چکر لگاتا پھر رہا تھا۔''

''لاش اس وقت کہاں ہے؟''

''کرونر کو بھیج دی گئی ہے۔ڈیسوزا صاحب خود بھی وہیں گئے ہیں۔''

''اچھا تم وہیں ٹھہرو، میں آرہا ہوں۔''خان نے یہ کہہ کر رسیور رکھ دیا۔اس کا موڈ بگڑ چکا تھا۔اس نے باہر نکلتے ہوئے نہ کسی سے بات کی نہ کسی کی طرف دیکھا۔وہ سیدھا اپنی کار کی طرف دوڑا۔لیکن وہ یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ وہاں کار نہیں تھی۔

''یہ کار کہاں گئی؟''اس نے پلٹ کر غصیلی نظروں سے دروازے تک آئے ہوئے ایک سپاہی سے پوچھا۔

''کک...کار...، صاحب...''وہ خوف کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکا۔

''تم لوگ ڈیوٹی دیتے ہو یا مسخرا پن کرتے ہو۔پولیس اسٹیشن کے سامنے سے

کار غائب ہوگئی اور تمہیں خبر تک نہ ہوئی ؟'' جھنجلاہٹ میں خان کا لہجہ اور سخت اور غصیلہ ہوگیا۔ڈپٹی سب انسپکٹر کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔وہ خان کی نظر بچا کر دروازے والے کانسٹیبل کو ایسی نظروں سے گھور رہا تھا جیسے کچا چبا جائے گا۔

''کھڑے میری صورت کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟ کوئی گاڑی یا ٹیکسی منگایئے۔''خان نے ڈپٹی انسپکٹر کو حکم دیا۔

''یس،سر۔'' وہ اک دم چونگ پڑا اور بجائے کسی اور کو ہدایت کرنے کے خود ہی دوڑ پڑا اور پچھلے احاطے سے پولیس اسٹیشن کی جیپ کار ہی نکال لایا۔خان اس کے پاس ہی اگلی نشست پر بیٹھ گیا اور اس نے گاڑی برق رفتاری سے دوڑا دی۔

کان جس وقت کار سے اترا، رؤف دروازے پر ہی موجود تھا۔اس کے علاوہ دو مسلح کانسٹیبل بھی تھے، جن میں سے ایک دروازے پر تھا اور دوسرا اندر برآمدے میں ڈرائنگ روم کے دروازے پر۔سڑک پر بھی کچھ آدمی جو پولیس کی آمدورفت دیکھ کر رک گئے تھے دور کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ڈیسوزا نے جس وقت ایمبولینس سے برنانڈو کی لاش کرونز کو بھیجی تھی لوگ اس وقت بھی جمع ہگئے تھے، لیکن انھیں یہ نہ معلوم ہوسکا تھا کہ برنانڈو کس معاملے میں زخمی ہوا ہے یا اسے قتل کیا گیا ہے۔پولیس نے ابھی تک سارا معاملہ صیغۂ راز میں رکھا تھا۔

''کیسے ہوگیا یہ؟''خان نے احاطے میں داخل ہوتے ہوئے جھجلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''کسی کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ گولی گدھر سے چلی، کس نے چلائی۔صرف اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ فائر اس کھلی کھڑکی کی طرف سے ہوا تھا، کیوں کہ مسٹر برنانڈو اس وقت ٹہلتے ہوئے اس کھڑکی کے قریب آئے تھے۔'' رؤف مؤدب انداز میں پیچھے پیچھے چلتے ہوئے بتانے لگا۔

''باہر دروازے پر اس وقت ہمارا سادہ لباس آدمی موجود تھا۔ اس کا بیان ہے کہ سڑک بالکل سونی پڑی تھی۔ البتہ وہ صرف بندوق چلنے کی آواز سن سکا تھا۔ وہ آواز کہاں اور کدھر سے آئی، یہ نہ معلوم ہو سکا۔'' رؤف چلتے چلتے کہتا رہا۔

''ہُم...'' خان نے صرف سر ہلایا۔

برنانڈو کے ڈرائنگ روم کے دروازے پر کھڑا ہوا مسلح سپاہی خان کو دیکھتے ہی اٹینشن ہو گیا۔ رؤف نے دروازہ کھول دیا۔

کان ابھی اندر داخل ہو ہی رہا تھا کہ باہر کار رکنے کی آواز آئی۔ بالے اس کی کار لے کر آ پہنچا تھا اور اس کے ساتھ کار سے اترنے والا دراز قد جرنلسٹ لانگ فیلو تھا۔

''کہو، رؤف بھائی، کیا حال ہے تمہارے ناڈو کا؟'' بالے بے دھڑک احاطے میں داخل ہو کر ڈرائنگ روم کے دروازے پر پہنچتے ہوئے بولا۔

''آثار تو برے نظر آتے ہیں۔'' لانگ فیلو نے خان کا موڈ دیکھ کر آہستہ سے کہا۔

''برنانڈو قتل کر دیا گیا۔'' رؤف نے سنجیدگی جواب دیا۔

''اور کیا امید کی جا سکتی ہے ایسے بہادروں سے۔'' بالے نے موقع دیکھ کر رؤف پر فقرہ چست کرنا چاہا۔

''بالے۔'' خان نے اسے ڈانٹ دیا۔ اور پھر وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر حالات کا جائزہ لینے لگا۔ ٹھیک اس جگہ جہاں برنانڈو کھڑکی کے پاس گولی کھا کر اوندھا گرا تھا، اس کی لاش کا خاکہ چاک سے فرش پر بنا ہوا تھا اور لاش اٹھوا دی گئی تھی۔

''تو یہ پوزیشن تھی لاش کی۔'' خان بڑبڑایا۔ ''بالے، یہاں تو آؤ۔''

''مم... میں... کیوں؟'' وہ قریب آ گیا۔

''اس خاکے پر اسی طرح لیٹ جاؤ۔''

''مردے کے خاکے پر؟'' بالے نے ہاتھ جھٹک کر احتجاج کیا۔ ''اور کہیں جو اپنا خاکہ اڑ گیا؟''

'' بکومت، جو کہہ رہا ہوں، وہ کرو۔''

''عجیب ڈیوٹی ہے۔'' بالے بڑبڑاتا ہوا مجبوراً اس خاکے پر بالکل اس کی شکل کے مطابق اوندھا لیٹ گیا۔ لانگ فیلو منہ پر رومال رکھ کر مسکرانے لگا۔

''او بھئی، شتر مرغ۔ میں سرکس کا جوکر نہیں ہوں۔'' بالے نے لیٹے لیٹے ہی اسے ڈانٹا۔

''کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔'' رؤف نے لانگ فیلو کے کان میں کہا۔ مگر شاید بالے نے بھی سن لیا تھا۔ وہ اسے منی بنا کر دیکھتا رہ گیا، کیوں کہ خان اس وقت کسی گہری سوچ میں تھا اور مفت میں ڈانٹیں سننے کو ملتیں۔

''اچھا، اب اس طرح کھڑے ہو جیسے اس جگہ اسی طرح گرنے سے پہلے کوئی کھڑا رہا ہو۔'' خان نے بالے کو ہدایت کی۔

''میں کسی ناٹک نوٹنکی، آئی ایم ساری، ناٹک کا بھانڈ نہیں ہوں جو آپ مجھے نچا رہے ہیں۔''

''میں نے کیا کہا ہے؟'' خان نے سخت لہجے میں کہا۔

''لیجیے، کھڑا ہو گیا۔'' بالے پیر کے نشانوں کے پنجے پر اپنے پنجے جما کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اب اس کی پیٹھ اس کھلی کھڑکی کی طرف تھی اور کھڑکی اور اس کے درمیان بمشکل ۲.۵ فٹ کا فاصلہ تھا خان نے جیب سے اسٹیل اسپرنگ ٹیپ نکال لیا اور اس کے سر سینے اور پیٹ کو پوائنٹ بنا کر کھلی کھڑکی کے مختلف حصوں سے اس کے زاویے بنانے لگا۔ برنانڈو کی لاش کے خاکے پر گولی لگنے کی جگہ کا نشانہ پشت پر داہنے کندھے کی چوڑی ہڈی کے نیچے بنا ہوا تھا۔ ایک خطِ راست کے علاوہ صرف دو زاویے ایسے بنتے تھے جن پر

گولی چلائے جانے کا امکان ہو۔ایک تو خط رست جس کی شست میں احاطے کی دیوار کا اوپری حصہ،سڑک اور سڑک کے اس پار سنیما کی عمارت کے نچلے حصے کی پختہ دیوار تھی اور دوسرا ایک ۴۵ ڈگی کا زاویہ جس کی سیدھ میں سڑک کے اوپری خلا سے گزرتی ہوئی نظر سامنے والے ریکس سنیما کی عمارت کے گراؤنڈ فلور کے حصے کی مشرقی دیوار کے روشن دانوں پر پڑتی تھی۔تیسرا زاویہ ۷۵ ڈگری کے لگ بھگ تھا اور اس کی سیدھ میں سنیما کی بالکونی کے عقبی حصے کی کھلی کھڑکیاں پڑتی تھیں۔شاید اس وقت سنیما کا آخری شو جاری تھا اس لیے بالکونی کے اس والان نما حصے میں اندھیرا تھا۔یہ کھڑکیاں برنانڈو کے ڈرائنگ روم کی اس کھلی کھڑکی سے قریب کھڑے ہوکر رہی نظر آسکتی تھیں۔کمرے کے اندر کھڑکی سے فاصلے پر بیٹھنے سے صرف سڑک اور سنیما کی عمارت کی مشرقی دیوار ہی دکھائی دیتی تھی۔

خان نے بالے کو اس جگہ سے ہٹا دیا۔بالے کے کوٹ کی پشت پر چاک سے بنایا گیا برنانڈو کے خاکے میں گولی لگنے کے نشان کے مطابق نشان اب تک موجود تھا۔

''میرا گیبڈین کا سوٹ ناس کر دیا۔'' وہ اسے جھٹکتے ہوئے بڑبڑانے لگا۔

''میں پولیس ڈیپارٹمنٹ پر چودہ روپے گز کا دعویٰ کروں گا۔''

''کون سی حلال کا ہوگا۔'' رؤف دبی زبان سے بول اٹھا۔

''میں تمہاری طرح حرام خور نہیں ہوں، بھائی حرام...''

''بالے!'' خان نے اسے ڈانٹ دیا۔

''میں تو مونچھوں کا ذکر کر رہا تھا، گالی تھوڑی دے دی ہے۔''

''رؤف بھائی، انھوں نے بہت غلط نام رکھا ہے آپ کا۔بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ مونچھیں غیر شرعی ہیں تو...'' لونگ فیلو نے کہنا چاہا۔

''حرام ہوئیں نا؟'' بالے نے لقمہ دیا۔

''ایک دن ساری کسر نکال لوں گا، بالے صاحب۔'' رؤف نے اسے دبے لہجے میں چیلنج کیا۔

''کسر پنیے نکالا کرتے ہیں۔ آپ ٹھہرے شاعر آدمی۔ قافیہ ردیف کی بات کیجیے۔'' بالے رؤف سے الجھنے لگا، مگر جب اس نے پلٹ کر دیکھا تو خان کمرے سے جا چکا تھا۔ وہ اس وقت بنگلے کے احاطے کے دروازے پر نظر آ رہا تھا۔

بالے خان کے پیچھے دوڑا۔ لانگ فیلو بھی پیچھے ہولیا۔ لیکن رؤف کو وہیں کھڑے رہنا پڑا۔ خان نے ابھی اسے کوئی ہدایت نہیں دی تھی۔

سڑک عبور کر کے خان سنیما کی دیوار کے پاس آ کر سر اٹھا کر اوپر بالکونی کی عقبی کھڑکیوں کو دیکھنے لگا۔ پھر کچھ سوچتا ہوا وہ آگے بڑھ کر سنیما کے گیٹ میں داخل ہو گیا۔

سنیما کا منیجر اس وقت اتفاق سے دروازے پر ٹہل رہا تھا۔ ''فرمایئے، بکنگ تو ختم ہو چکی ہے۔'' اس نے انھیں نہ پہچان کر نرم لہجے میں کہا۔

''ہم آپ کی بکنگ کرنے آئے ہیں۔'' بالے نے منہ ٹیڑھا کر کے جواب دیا۔

''کیا مطلب؟'' منیجر کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔

''تم چپ رہو۔'' خان نے بالے کو جھاڑا۔ اور خود منیجر سے مخاطب ہو گیا۔

''ہم سنیما کے عقبی حصے کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ سامنے والے بنگلے میں ایک خون ہو گیا ہے اور ہمیں شبہ ہے کہ گولی اسی عمارت سے چلائی گئی ہے۔''

''خون...! گولی...!'' منیجر سناٹے میں آ گیا۔ ''آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر خان نے اپنا کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔

وہ اسے دیکھتے ہی چونک پڑا۔ ساتھ ہی اس کا رویہ اک دم بدل گیا۔

Akram Allahabadi

''میں ہر ممکن مدد کرنے کو حاضر ہوں، لیکن یہ کچھ نہیں جانتا کہ کس کا خون ہوا ہے؟ کیسے ہوا ہے؟ کہاں سے ہوا ہے؟'' منیجر نے بے بسی کے عالم میں کہا۔

''میں صرف اس عمارت کے بعض حصے دیکھنا پسند کروں گا اور ہاں آپ اپنے بکنگ کلرکس کو ابھی جانے نہ دیجیے گا۔''

''میں ابھی ہدایت کر کے آیا۔'' منیجر یہ کہتا ہوا بکنگ آفس کی طرف چلا گیا جس کے اندر روشنی ہو رہی تھی۔ بکنگ کی کھڑکی البتہ بند ہو چکی تھی۔ شاید کلرک آخری شو کی ٹکٹوں کی فروخت کا کیش گن رہا تھا۔ خان کے اشارے پر لانگ فیل وگیٹ پر ہی بکنگ آفس کے سامنے رک گیا اور منیجر کے باہر آنے پر خان اور بالے اندر کی طرف بڑھ گئے۔ سب سے پہلے خان نے نچلی منزل کا عقبی حصہ دیکھا۔ یہ سینما ہال کے پیچھے تقریباً ۲۰ فٹ چوڑا دالان نما حصہ تھا جس میں سینما بینوں کے سگریٹ پینے یا شو کے انتظار میں باہر بیٹھ کر انتظار کرنے کے لیے گدے دار صوفے بچھے ہوئے تھے۔ خان کی نظریں اوپری روشن دانوں پر دوڑنے لگیں، لیکن وہ فرش سے تقریباً ۲۵ فٹ اونچے تھے۔ اس لیے وہاں تک پہنچ کر کسی کے گولی چلانے کا امکان نہ تھا۔ پھر وہ اوپری منزل میں بالکونی پر پہنچ گئے۔ بالکونی کے دروازے پر ایک گیٹ کیپر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ وہ منیجر کو دیکھتے ہی چونک پڑا۔ خان نے پہلے بالکونی کے دروازے اور پھر عقبی دیوار کی کھلی کھڑکیوں کا جائزہ لیا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ ایک کھڑکی کے سامنے رک گیا۔ اس نے یاس سے جھانک کر دیکھا برنانڈو کے ڈرائنگ روم کی کھلی کھڑکی سے اندر کا منظر اور برنانڈو کے کاکے کا پورا حصہ یہاں سے صاف نظر آ رہا تھا۔

''بالے، تم کل دن میں اس کھڑکی سے برنانڈو کے مکان کی کھلی کھڑکی کی تصویر لے لینا۔'' خان نے مطمئن لہجے میں بالے سے کہا اور لوٹنے لگا۔ وہ گیٹ کیپر کے پاس رک گیا۔

''کیا تم یہاں شو شروع ہونے سے آخر تک بیٹھتے ہو؟''

''جی...جی ہاں۔'' گیٹ کیپر منیجر کی موجودگی میں گھبرا کر بولا۔

''کیا پہلے شو میں بھی تم اس جگہ شروع سے ختم تک بیٹھے رہے تھے؟'' خان نے اس سے پھر پوچھا۔

''یہ پولیس آفیسرز ہیں، انھیں ہر بات کا جواب سچ سچ اور صحیح دو۔'' منیجر نے گیٹ کیپر کو ہدایت کی۔ پولیس کا نام سن کر وہ بے چارہ گھبرا گیا۔

''صاحب، میں انٹرویل کے بعد کھانا کھانے چلا گیا تھا۔''

''کیوں؟'' منیجر نے اسے خشمگیں نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

''اس شو میں بالکونی میں صرف پانچ چھ آدمی تھے، صاحب۔ رش نہ دیکھ کر میں نے سوچا کھانا ہی کھا آؤں۔'' گیٹ کیپر نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔ دراصل وہ منیجر کی طرف سے خوف کھا رہا تھا کہ کہیں اس غیر ذمہ داری کا بھانڈا پھوٹنے پر وہ اسے نوکری سے نہ نکال دے، مگر پولیس سے تو بہر صورت غلط بیانی کرنا اس سے بڑی مصیبت جن سکتی تھی۔

''تم کس وقت گئے تھے؟ ٹھیک ٹھیک بتاؤ؟''

''انٹرویل ہونے سے صرف دس منٹ پہلے۔''

''آپ بالکونی کے بکنگ کلرک کو بھی یہیں بلوا لیجیے۔'' خان نے منیجر سے کہا اور منیجر کے اشارے پر گیٹ کیپر ہی اسے بلانے چلا گیا۔

''یہ دونوں آپ کے یہاں کب سے ملازم ہیں؟''

''دونوں پرانے ملازم ہیں۔ تقریباً دس دس سال کے، اور پھر بھروسے کے آدمی ہیں۔'' منیجر نے بتایا۔ اس کے بعد کان نے گیٹ کیپر سے صرف بالکونی کے ۶ بجے والے شو کے ٹکٹوں میں سے آخری ٹکٹ کا کاؤنٹر پیس لے لیا اور منیجر کی اجازت سے اسے

ایک دوسرے کاغذ میں لپیٹ کر جیب میں ڈال لیا۔

کچھ دیر بعد ہی بکنگ کلرک آ پہنچا۔ وہ گھبرایا ہوا سا تھا۔ اس نے خان کے سوالات کے جواب میں بتایا کہ پانچ آدمیوں کے علاوہ جو شو کے ٹائم میں آئے تھے ایک پستہ قد آدمی جو اوورکوٹ پہنے تھا، شو شروع ہونے کے کئی منٹ بعد آیا تھا۔ پھر اس نے اس کے پانچ روپے کے نوٹ کی بقایا دو روپے چھ آنے کی چینج کا بھی ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ وہ ۶ بجے والا شو ختم ہوتے ہی اوپر سے سب سے پہلے اترا تھا۔ وہ کافی عجلت میں یا گھبرایا ہوا معلوم ہوتا تھا کیوں کہ جب اسے چینج واپس کی گئی تو اس نے جواب تک نہ دیا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

بکنگ کلرک اس کا جو حلیہ بیان کرتا گیا وہ بالے نے نوٹ بک میں لکھتا گیا۔

''تعجب ہے کہ آپ کے یہاں کسی نے بھی بندوق چلنے یا کسی دھماکے کی آواز نہیں سنی۔'' خان نے پوچھا۔

''یہ عجیب بات ہے، صاحب۔'' منیجر بولا اور کسی کو کسی ایسی ان ہونی کا شبہ بھی ہوتا تو شاید وہ اپنے کان اتنے کھڑے رکھتا ورنہ یہاں جو فلم آج کل چل رہی ہے اس میں خود بندوقوں کے دھماکوں اور دریا کے شور کے ایسے مناظر ہیں کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی'' منیجر کے اس بیان پر خان دوبارہ چونک پڑا۔

''اوہ، تو یہ بات ہے۔'' خان سوچ میں پڑ گیا۔

''ضرور اس نے فلم کے ان مناظر کی پرشور ساؤنڈ سے فائدہ اٹھایا ہوگا۔'' بالے بھی بڑبڑایا۔ ''تاکہ ان کی آواز میں باہر کی آواز مدغم ہو جائے یا کسی کو اس کی طرف سھیان تک نہ ہو۔''

پھر بکنگ کلرک اور گیٹ کیپر سے چند اور سوالات کرنے کے بعد خان منیجر کا شکریہ ادا کرتا ہوا باہر نکل آیا۔ لانگ فیلو دروازے پر موجود تھا۔

''میں نے ابھی دربان لالہ سے پوچھا ہے۔'' لانگ فیلو نے کہا۔

''کیا پوچھا ہے؟'' بالے نے لقمہ دیا۔

''وہ بتا رہا تھا کہ ۶ بجے والے شو میں ایک پستہ قد آدمی شو شروع ہونے کے بعد آیا تھا۔ اس نے اپنی کار باہر فٹ پاتھ کے پاس کھڑی کی تھی۔ اور وہ کار اس شکل کی تھی۔'' لانگ فیلو نے باہر کھڑی ہوئی ایک ہندوستان ٹین کی طرف اشارہ کیا۔

''تو سب ہی ایک لائن پر سوچ رہے ہیں۔'' خان نے لانگ فیلو کی شکل دیکھ کر کہا۔

''ظاہر ہے کہ کوئی اور محفوظ طریقہ ایسا نظر نہیں آتا جو قاتل کو اتنی آسانی سے برنانڈو کے ختم کر دینے میں مدد کرے۔'' لانگ فیلو نے جواب دیا۔

''اندازہ ہی اندازہ۔ ٹھوکتے چلے چلیے۔'' بالے بڑبڑایا۔

''اس کی تصدیق کی صرف ایک ہی صورت ہے۔'' خان یہ کہتا ہوا باہر نکل آیا۔

''بلنگ کلرک وغیرہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟'' بالے نے پوچھا۔

''چھوڑو، وہ شکل اور گفتگو دونوں سے سیدھے اور احمق قسم کے آدمی نظر آتے ہیں۔ وہ یقیناً کچھ نہ جانتے ہوں گے۔'' خان نے برنانڈو کے بنگلے کی طرف جانے کی بجائے اپنی کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ جس میں بالے اور لانگ فیلو بھی بیٹھ گئے۔ رؤف بھی باہر آ گیا تھا۔

''ارے رؤف بھائے، وہ... وہ ہمدرد کا مجنون شباب آور کہاں ہے؟'' بالے کا اشارہ روزو کی طرف تھا۔ اس نے اتنے آہستہ سے پوچھا کہ خان نہ سن سکے۔

''بڑے بے حس ہو، یار۔ اس بے چاری کے بہنوئی کا قتل ہو گیا اور تم ہو کہ ...''

''اظہارِ تعزیت کے لیے ہی تو پوچھ رہا ہوں، پادری صاحب۔ ایسے موقعوں

پر ہمدردی جتانے سے بڑا ثواب ملتا ہے۔''

''ثواب اور تم! لاحول ولاقوۃ۔'' رؤف نے برا سا منہ بنالیا۔

''رؤف۔'' خان کی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔

''تم اب گھر جاسکتے ہو۔ یہاں ایک کانسٹیبل کافی ہوگا۔'' خان نے کہا۔

''بہتر ہے۔'' رؤف سلام کرکے رہ گیا۔ اور خان نے کار اسٹارٹ کرکے اس کا رخ سٹی کروزر کی طرف کردیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

فار چون بلڈنگ

کروز کے مردہ گھر میں جب برنا نڈو کی لاش کا معائنہ کرنے کے بعد سپرنٹنڈنٹ خان لوٹ رہا تھا تو بالے اور لانگ فیلو بھی اس کے ساتھ تھے۔ خان کا شبہ بالکل صحیح ثابت ہوا تھا۔ برنا نڈو کی لاش کے پاسٹ مارٹم رپورٹ میں، جو ابھی ابھی مرتب ہوئی تھی، بتایا گیا تھا کہ گولی پشت کی طرف سے بدن میں ترچھی داخل ہوئی تھی۔ اور دل کو چھیدتی ہوئی آنتوں میں آ کر اٹک گئی۔ خاں نے خود اس گھاؤ کو دیکھ کر جب پشت کی جلد سے زخم کی ترچھی گہرائی کا جائزہ لیا تو اس طرح بھی تقریباً ۷۰۔۷۵ ڈگری کا زاویہ بنتا تھا۔ اس میں بہت خفیف سا فرق بھی پڑ سکتا تھا، اس لیے کہ زخم کے نیچے جلد ذرا پھول گئی تھی۔

زخم کے معائنے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ گولی ریکس سنیما کے بالکونی کلاس کے عقبی حصے کی اس کھڑکی سے چلائی گئی ہوگی، جس پر خان چاک سے نمبر ڈال کر آیا تھا۔

''اب کیا پروگرام ہے؟'' لانگ فیلو نے بیٹھے بیٹھے پوچھا۔

''اب ہمارا خیال ہے کہ آپ کو چڑیا گھر میں چھوڑتے ہوئے گھر جا کر آرام سے سو جائیں۔'' بالے بیچ میں بول پڑا۔ خان صرف مسکرا کر رہ گیا۔ وہ ان کی آپس کی جھڑپ سے خود بھی لطف اندوز ہوا کرتا تھا، لیکن صرف فرصت کے اوقات میں اور یہ وقت تو بہر حال فرصت کا نہ تھا۔

''بالے صاحب، کسی دن تمہاری ایسی ٹانگ گھسیٹوں گا کہ چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔'' لانگ فیلو نے بالے کو جوابی چیلنج دیا۔

Akram Allahabadi

''ارے بہت دیکھے۔'' بالے نے منہ بنالیا۔

''اب تم ہمیں دور سے صرف وہ مقام بتا دو جہاں تم نے ان کتوں کی لاشیں دیکھی تھیں۔ اور پھر جہاں چاہو جا سکتے ہو۔'' خان نے لانگ فیلو سے کہا۔

''ہائے، پھر وہی کتے۔'' بالے سے نہ رہا گیا۔

''کیا آپ واقعی ان کتوں کی لاشوں کو اہمیت دے رہے ہیں؟'' لانگ فیلو نے یقین نہ کرتے ہوئے اس سے پھر سوال کیا۔

''نہیں، بس یوں ہی۔ ویسے اس وقت تمہیں کوئی ضروری کام بھی تو نہ ہوگا۔''

''نکمے آدمیوں کو کبھی کوئی ضروری کام نہیں ہوتا۔'' بالے پھر بیچ میں بول اٹھا۔

''تم اپنی مثال بیچ میں نہ گھسیڑ دیا کرو۔''

''قبلہ، میں اس لمبے آدمی کی شان میں کہہ رہا ہوں۔''

''کہہ لینے دیجیے، بے چارے جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہیں۔'' لانگ فیلو نے خود ہی بالے کا بچاؤ کر دیا۔

ان کی گاڑی اب مڈلٹن اسکوائر پہنچ کر داہنے ہاتھ کی چھگن مل اسٹریٹ پر گھوم گئی۔ یہ علاقہ چوڑی سڑک کے دو طرفہ شان دار عمارتیں رکھتا تھا، لیکن یہ عمارتیں زیادہ تر کاروباری دفاتر اور گوداموں وغیرہ پر مشتمل تھیں، اس لیے رات کے اوقات میں اس طرف سڑک پر بھی سناٹا تھا۔

''بس یہی سڑک ہے، چلے چلیے۔'' لانگ فیلو نے کہا۔ پھر اس کے اشارے پر ایک جگہ خان نے گاڑی روک دی۔

''وہ دیکھیے... وہ فارچون بلڈنگ... بس اسی کے پیچھے جو میدانی علاقہ ہے، وہیں۔ میں راستہ مختصر کرنے کے لیے اکثر اسی طرف سے آتا ہوں۔'' لانگ فیلو نے بتایا۔

Akram Allahabadi

''کل آپ کہیں راستے میں چوہا مرا ہوا دیکھ کر اس کی لاش بھی اٹھا لائیں گے؟'' بالے نے اس پر پھر فقرہ کسا۔

''میں کب کہا ہے کہ آپ میرے نظریے پر بھاڑ جھونکیں۔ میں نے تو اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔'' لانگ فیلو سنجیدگی سے بولا۔

''اچھا چلو، اب چلیں۔'' خان نے یہیں سے گاڑی پلٹالی۔

☆☆☆☆☆☆

رات کے دو بجے ٹیلی فون کی مسلسل بجتی ہوئی گھنٹی نے بالے کی نیند حرام کر دی۔

''ارے بھئی، کس کے پیٹ میں درد اٹھا ہے آدھی رات کو؟'' وہ رسیور اٹھاتے ہوئے بڑبڑایا۔

''میں فارچون بلڈنگ سے بول رہا ہوں۔'' ادھر سے جواب ملا۔ ''نبی خاں حوالدار۔''

''بول رہے ہو تو کون سا احسان کر رہے ہو سونے والوں پر۔'' بالے نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ ''یہ روفیسر سامری کا دفتر نہیں ہے۔ فارچون۔ ہونہہ ... فارچون۔''

''بالے صاحب، میں نبی خاں حوالدار بول رہا ہوں۔''

''پھر وہی بکواس۔ آخر کیوں بول رہے ہیں آپ؟ کس نے مجبور کیا ہے؟'' پھر وہ خود ہی چونک پڑا۔ ''ہائیں...؟ کیا...؟... فارچون بلڈنگ سے؟... ہاں ہاں، کیا بات ہے؟''

''ایک کالے رنگ کی گاڑی ۱۲ بجے سے تین چکر لگا چکی ہے یہاں کے۔ ہر

بار اس عمارت کے پچھلے ویران حصے میں وہ کھڑی ہوتی ہے اور اس میں سے چار پانچ آدمی اتر کر اندر چلے جاتے ہیں۔ گاڑی پھر لوٹ جاتی ہے۔'' نبی خاں نے بتایا۔

''آثار کیا ہیں؟''

''ویسے بلڈنگ کے باہر سے بالکل سونی پڑی معلوم ہوتی ہے اور اس کے سب دروازے اور کھڑکیاں بند ہیں۔'' نبی خاں نے بتایا۔

''تمہارے آدمی سامنے کی طرف بھی ہیں نا؟''

''جی ہاں، چاروں کونوں پر ایک ایک آدمی لگا دیا ہے۔ خان صاحب نے صرف خفیہ نگرانی کا حکم دیا تھا۔''

''اچھا تو پھر جمے رہو وہیں۔ میں انھیں خبر کرتا ہوں۔'' بالے نے کہہ کر رسیور رکھ دیا اور گون پہنتا ہوا سرہانے رکھے ہوئے پیکٹ سے سگریٹ نکال کر خان کمرے کی طرف چل دیا۔

اس کے باوجود کہ خان رات کافی دیر بعد سویا تھا۔ اس کی نیند کھٹکے کی نیند تھی۔ وہ بالے کے منہ سے فارچون بلڈنگ کا نام سنتے ہی اٹھ بیٹھا۔

''چلو، جلدی تیار ہو جاؤ۔''

''یہ لیجیے، جاگ جاؤ، جگا دو اور بھاگنے والے کا ساتھ دو۔''

''میں دس منٹ سے زیادہ وقت نہ دوں گا۔''

''آپ ضرور بنی عزرائیل میں سے ہیں۔'' بالے بڑبڑاتا ہوا غسل خانے کی طرف چل دیا۔

انھیں تیار ہونے میں صرف دس منٹ ہی لگے۔ خان کی کار باہر موجود تھی۔ خان کا ملازم غلام رسول بھی اٹھ بیٹھا تھا، لیکن وہ چائے بناتا ہی رہ گیا۔

''کیا چھاپا مارنے کا ارادہ ہے؟'' بالے نے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

Akram Allahabadi

''ٹھہرو، میں ڈیسوزا کو فون کرلوں۔'' خان فون اسٹینڈ کی طرف گھوم گیا۔

ڈیسوزا شاید اس کی ہدایت کے مطابق پہلے ہی تیار تھا۔ ڈائل کرتے ہی وہ فون پر آموجود ہوا۔

''آپ اپنے آدمی لے کر فارچون بلڈنگ پر اسی وقت چھاپا ماردیجیے۔ اور رؤف اور ابراہیم کو مڈلٹن اسکوائر پر بھیج دیجیے۔'' خان نے ڈیسوزا کو حکم دیا۔

''بہتر ہے۔'' ڈیسوزا نے جواب دیا اور خان رسیور رکھتا ہوا باہر برآمدے میں نکل آیا۔

''تو کیا ہم دوسرے تماشا دیکھنے جارہے ہیں؟'' بالے نے خان کے ساتھ کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

''خیال تو ایسا ہی ہے۔'' خان نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اپنا خیال مختلف ہے۔ یعنی زندگی کے لیے آرام زیادہ ضروری ہے۔''

''اپنا اپنا خیال ہے۔''

اور پھر بالے اپنی میٹھی میٹھی نیند کی قربانی کے احتجاج میں تمام راستے بڑبڑاتا رہا۔

خان نے اس کی ایک بھی بات کا جواب نہ دیا۔ بالآخر مڈلٹن اسکوائر پہنچتے پہنچتے اسے خاموش ہوجانا پڑا۔ ان کی کار جس وقت فٹ پاتھ کے کنارے رینگتی ہوئی ایک طرف تاریکی میں رکی تو دو سائے دوڑ کر اس کے قریب آگئے۔ وہ رؤف اور ابراہیم تھے۔

''رؤف بھائی، اندھیرے میں تمہاری گھنیری مونچھیں، گلہری کی دم...''

''بالے کبھی تو نچلے بیٹھا کرو۔'' وہ رؤف کے جواب سے پہلے خان نے اسے جھاڑ سنائی۔

''میں اچھوت نہیں ہوں، ویسے آپ کہتے ہیں تو لیجیے۔'' وہ سیٹ سے اتر کر کار کے فٹ بورڈ پر بیٹھ گیا۔

''عجیب گدھا ہے۔'' خان جھلا کر بڑبڑایا۔

''سن لو، بیٹے ابراہیم۔ یہ خطاب تمہارے اعمال نامے میں بھی لکھا جائے گا۔''

''آپ اپنی بلا میرے سر کیوں ٹال رہے ہیں۔'' ابراہیم نے آہستہ سے کہا۔

خان نے وائرلیس کا سوئچ آن کر دیا تھا، اس لیے سب خاموش ہو گئے۔

تقریباً پانچ منٹ کے بعد ہی انڈیکیشن بلب اسپارک کرنے لگا۔

''کم ان... خان اسپیکنگ۔'' خان نے سوئچ گھمارے ہوئے کہا۔

''ڈیسوزا ہیئر، سر، ہم لوگوں نے فارچون ہاؤس کو گھیرے میں لے لیا ہے، اوور۔''

''میں مڈلٹن اسکوائر پر موجود ہوں، اوور۔ کوئی خاص بات ہو تو اطلاع دیجیے، اوور۔''

''شاید دروازے توڑ کر اندر گھسنا ہوگا، اوور۔ کوئی دوسرا راستہ نظر نہیں آ رہا، اوور۔''

''محض شبے کی بنا پر کسی بلڈنگ کے دروازے اس کے مالکوں کی غیر موجودگی میں نہیں توڑے جا سکتے، اوور۔''

''آپ کے خصوصی اختیارات؟''

''ہمیں اس جگہ کے بارے میں محض شبہ ہے جس کے کوئی ٹھوس اسباب ابھی تک نہیں فراہم ہو سکے ہیں۔''

''تو جیسا حکم دیں، اوور۔''

''اس کا انتظام میں کیے دیتا ہوں، اوور۔''

''بہتر ہے۔''

سلسلۂ گفتگو پھر منقطع ہو گیا۔ خان اب رؤف اور ابراہم کی طرف مخاطب ہوا۔

''میرا خیال ہے کہ ایک طریقہ اور قانونی مدد کر سکتا ہے۔'' وہ انھیں دیکھ کر بڑبڑایا۔

''فرمایے۔'' رؤف ہمہ تن گوش ہو گیا۔

''آپ اپنی فرخ آبادی مونچھیں اکھاڑ کر فارچون ہاؤس کے گیٹ پر لٹکا دیجیے۔'' بالے پھر بول پڑا۔ رؤف کچھ جواب دینے ہی والا تھا کہ خان نے اپنا سلسلۂ گفتگو پھر جاری کر دیا۔

''تم دونوں۔'' اس نے انھیں یہ کہتے ہوئے اشارے سے قریب بلایا اور پھر کچھ سرگوشی کے لہجے میں کہتا رہا۔ اس کی بات ختم کرتے ہی رؤف اور ابراہیم نے سر ہلا کر اسے سلام کیا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتے سڑک کراس کرنے لگے۔

''آپ نے ان کے کانوں میں کوئی جادو پھونکا ہے کیا؟''

''بس تماشا دیکھتے جاؤ، بیٹھے۔''

''اگر ہمارے یہاں اس طرح کار لے کر کھڑے رہنے پر کسی نے اعتراض کیا تو؟''

''اعتراض تو نہیں، شبہ کر سکتا ہے کوئی۔ تم کار کا بانٹ کھول کر زبردستی کی دیکھ بھال کرنے لگو۔ آخر کار چلتے چلتے بگڑ ہی تو سکتی ہے۔''

''کپڑے کالے ہوں گے؟''

''منی تو کالا نہ ہوگا، چلو کام کرو۔''

بادلِ ناخواستہ بالے کو کار سے اترنا پڑا۔ بانٹ کھول کر وہ اندر جھانکنے لگا۔

فارچون کے ہاؤس کے سامنے پھیلی ہوئی سونی سڑک پر اس وقت کافی دور سے آئے ہوئے کسی آدمی کے بھاری قدموں کی چاپ گونجنے لگی۔ وہ بڑی بڑی مونچھوں والا ایک قوی ہیکل آدمی تھا، جس نے بنارسی پنڈوں جیسی ایک سفید دھوتی باندھ رکھی تھی اور اس پر سفید کھدر کا ڈھیلا کرتا۔ انداز رفتار و ے وہ کوئی پہلوان یا پھر غنڈہ قسم کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ سڑک پر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

آنے والا بلند آواز میں گاتا چلا آرہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لاٹھی یا بانس اک ٹکڑا تھا۔

''ہو گوری تو ہرے لال لال ٹماٹر ہس گلوا
کس کس کرے مورو کھ کے من پا گلوا... گوری''

اچانک سڑک کے داہنی سمت کے اندھیرے فٹ پاتھ سے دو آدمی جو بدن پر اچکی پتلونیں اور پٹی دار بنیانیں پہنے ہوئے تھے، سڑک پر نکل آگئے۔

''اوئے، رام بھیلاس۔'' ان میں سے ایک نے اسے للکارا۔

''کائے ہو...؟ ارے تو ہے سنکروا۔'' دھوتی والا دراز قد آدمی چونک کر انھیں دیکھتے ہوئے بولا۔

''بیٹا، آج ہی تو تھووا ڈے درشن ہوئے ہیں۔'' دونوں میں سے ایک نے چیلنج کرتی ہوئی آواز میں کہا۔

''کا مطبل آہے تمہارا؟'' رام بھیلاس نے آنکھیں نکال کر انھیں گھورا۔

''اوئے، تو سی انکھتا کیا ہے، یار۔ مار لے سالے کو، ایسا چانس پھر نہیں ملے گا۔'' پہلے نے دوسرے سے کہا جس پر اس نے پتلون کی جیب سے چاقو نکال لیا۔

''ارے سسر، تو ہار تو ں ایسی تیسی، چکو دکھاوے چلے ہو۔''

رام بھیلاس یہ کہتا ہوا لاٹھی لے کر ان پر دو ڑ پڑا۔ اس کا پہلا ہاتھ چاقو والے کی

ہی کمر پر پڑا اور وہ دونوں بھاگ کر فٹ پاتھ پر چڑھ گئے۔رام بھیلاس فارچون ہاؤس والے فٹ پاتھ قریب تھا اور اس سے پہلے کہ وہ اور ان کے پیچھے دوڑے۔سڑک کی گڈھوں کی مرمت کے لیے فٹ پاتھ پر پڑے میونسپل کے پتھر کی گٹیوں کے ڈھیر سے وہ دونوں پتھر کی گٹیاں اٹھا اٹھا کر اس پر سنگ باری کرنے لگے۔رام بھیلاس نے بھی پتھر اور اینٹ کے ڈھیلے ڈھونڈ ڈھونڈ کر جواب دیا،لیکن جب ان دونوں کے پھینکے ہوئے پتھر بہک بہک کر فارچون ہاؤس کی نچلی منزل کی کھڑکیوں کے شیشے توڑنے لگے اور فولادی لوہے کے شیڈ والے دروازے پر جب ان کی چوٹوں سے باقاعدہ بینڈ بجنا شروع ہوگیا تو سارے علاقے میں ایک شور سا مچ گیا۔نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ابھی یہ سنگ باری باری بیٹھی کہ فارچون ہاؤس کی پہلی منزل کی تاریک کھڑکیوں میں سے اچانک ایک روشن ہوگئی۔پھر آہستہ آہستہ اس کا ایک پٹ کھلا اور ایک انسانی سر اس میں سے نکل کر نیچے باہر جھانکنے لگا۔رام بھیلاس اور وہ دونوں غنڈے پس وپیش سے بے نیاز اپنے جھگڑے میں کھوئے ہوئے تھے۔

''آج تمہاری لاس گرا ے بگیر ہمو نہ جایے۔''رام بھیلاس نے للکار کر انھیں چیلنج کیا۔

''ابے جا جا،پدّی واشور بہ۔یار،مارنا بڑھ کر چتو سالے کو۔''

ان دو میں سے ایک نے اپنے ساتھی کو ٹھونکا دیا۔سنگ باری پھر بھی جاری تھی۔

''اے...کیا ہے یہ؟''اوپر کھڑکی سے جھانکنے والے آدمی نے جس کا چہرہ صاف نظر نہ آتا تھا انھیں اوپر سے ڈانٹا۔

''تم اپن کھڑکی بند راکو،بابو۔نا ہیں تو تمہارا کو پھوٹ گئی توں کانے ہو جاؤ۔''رام بھیلاس نے بلڈنگ کے فولادی دروازے کے دریچے کی آڑ لے کر بلند

آواز میں کھڑکی والے کو متنبہ کیا۔ وہ آدمی آہستہ آہستہ کچھ بڑبڑاتا رہا۔ انکے دیکھتے ہی دیکھتے اسی وقت نچلی منزل کی بھی دو کھڑکیاں کھل گئیں اور ان میں سے بھی چند آدمی باہر جھانکنے لگے۔

''کیا ہے، او بھیا؟'' ایک نے کرخت آواز میں ڈانٹا۔

''بھیا ہوئے تمہارا باپ۔ تم کاہے کو بولت ہو ہمار لڑائی ما؟'' رام بھیلاس کا غصہ اب اس آدمی کی طرف گھوم پڑا۔

''ارے دیکھتے کیا ہو، بھگاؤ سالے کو مار کے۔'' کھڑکی والوں میں سے ایک نے دوسرے سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''کون سا لا...کا ہمکا کہا رے تو؟'' رام بھیلاس اپنی لاٹھی لے کر کچکچا کر کھڑکی کی طرف دوڑا۔ لیکن اسی وقت کھڑکی کی طرف سے پستول کا ایک فائر ہوا اور وہ وہیں فٹ پاتھ پر اوندھا گر پڑا۔

کھڑکی ابھی بند بھی نہ ہو پائی تھی کہ پولیس کی گاڑیوں کے سائرن بجنے لگے۔ اور چشمِ زدن میں آگے پیچھے پولیس کی تین گاڑیاں آ پہنچیں۔ وہ دو غنڈے بھی بھاگ نہ سکے۔

''گولی کس نے چلائی تھی؟'' انسپکٹر ڈیسوزا نے اپنی جیپ سے اترتے ہوئے ان میں سے ایک سے پوچھا۔

''صاحب، کسم لے لو، ساڈے کول نہ پستول اے نہ گولی۔'' اس آدمی نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

''صاحب، گولی اُدھر، اس کڑقی سے چلایا گیا تھا۔'' اس کے دوسرے ساتھی نے فارچون ہاؤس کی نچلی منزل کی طرف اشارہ کیا۔ اسی وقت کھڑکی کے پٹ بند ہونے کی آواز سنائی دی، لیکن انسپکٹر ڈیسوز نے دوڑ کر دونوں ہاتھوں سے اسے اتنی قوت سے

دھکیلا کہ پٹ کھل گئے۔انھیں اندر کسی کے دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی۔وہ اندر کود گیا اور اس کے پیچھے دوسرے سب انسپکٹر اور سپاہی بھی۔ڈیسوزا اس وقت ایک نیم تاریک کاریڈور میں دوڑ رہا تھا جو آگے جا کر ایک وسیع دالان کی طرف گھوم گیا تھا۔ جیسے ہی وہ اس موڑ پر پہنچا اچانک روشنی گل ہو گئی اور عمارت کے اندرونی حصے میں مکمل تاریکی چھا گئی۔ڈیسوزا کے پیر اسی وقت موڑ پہ رنہ جانے کس چیز سے ٹکرائے اور وہ اوندھا جا گرا۔اس کے ساتھی ڈپٹی انسپکٹر شاہ اور انسپکٹر سانے نے اپنی ٹارچز کی روشنی میں اسے اٹھاتے ہوئے دیواروں پر روشنی کے سوئچ تلاش کیے،لیکن وہ بیکار تھے۔شاید مین سوئچ ہی آف کر دیا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

ٹارچوں کی مدد سے وہ لوگ کچھ دیر تک اس عمارت کے مختلف حصوں کی تلاشی لیتے رہے،لیکن یہاں انھیں کوئی نہیں ملا۔

پوری عمارت چھان ماری گئی اور پولیس کے لیے یہ کم حرت ناک بات نہ تھی کہ وہاں ایک چڑیا کا بچا بھی نہ تھا۔تمام کمرے خالی پڑے بھائیں بھائیں کر رہے تھے درمیانی حصے میں ایک بڑا ہال تھا جہاں کچھ میزیں اور کرسیاں پڑی ہوئی تھیں اور ان پر مختلف قسم کے دفتری کاغذات اور رجسٹر وغیرہ رکھے تھے۔

کافی تلاش کے بعد ڈیسوزا کو اس عمارت میں ایک پچھلا دروازہ ملا،لیکن اسے کھول کر جب وہ باہر نکلے تو ایک ویران گیرج شیڈ کے ساتھ اندھیرا عقبی میدان دور تک سناٹے میں پھیلا ہوا تھا۔

یہاں ڈیوٹی پر لگائے گئے چار مسلح سادہ پوش آدمیوں کے علاوہ اسے بنارسی رام بھیلاس اور اس کے دونوں مخالف بھی ایک کونے پر کھڑے نظر آئے۔

''کیا ادھر کوئی نکلا، رؤف خان؟'' ڈیسوزا نے رام بھیلاس سے پوچھا۔

''جی نہیں تو، کیا اندر کوئی نہیں ہے؟''

''ایک مچھر بھی نہیں۔'' ڈیسوزا نے خود حیرت سے دہرایا۔

''ابراہیم، تم داہنے بازو کی دیوار کے سائے میں کھڑے ہوئے وائرلیس ٹرک سے خاں صاحب کو خبر کردو۔ ہم ایک بار اسے اندر سے پھر دیکھتے ہیں۔'' ڈیسوزا کا تخاطب اب کی بار اس پنجابی نما آدمی سے تھا جس نے رام بھیلاس کے لیے چاقو نکالا تھا۔

''تعجب ہے تم لوگوں نے اتنی جلدی حلیہ کیسے بدل ڈالا۔'' ڈپٹی انسپکٹر شاہ نے چلتے چلتے رؤف سے پوچھا۔

''یہیں قریب گوالوں کے ایک طویلے سے انتظام ہوگیا تھا۔'' رؤف نے ہنس کر بتایا۔ پھر شاہ اور رؤف تو ڈیسوزا کے ساتھ چلے گئے اور ابراہیم وائرلیس پر خان کو خبر کرنے چل دیا۔

خان کے لیے بھی یہ بات ناقابلِ یقین نہیں تو پراسرار ضرور تھی۔ وہ وائرلیس پر خبر پاتے ہی سوچ میں پڑ گیا۔

''آخر آپ کا پروگرام کیا تھا؟'' بالے نے پوچھا۔

''ان کے فرار کا یقیناً یہی راستہ ہوتا۔ اور مجھے تو صرف اس سیاہ فام آدمی کی ضرورت ہے۔ باقی تو سب اس کے ذریات ہیں۔ مجھے قمار بازوں سے دلچسپی نہیں ہے۔''

''بلیک مین کا نام میں نے بھی دو ایک بڑے پیمانے کے جوئے بازوں سے سنا ہے۔''

''مگر وہ اسے جانتے تو نہ ہوں گے؟''

''یہی بات تو قابلِ غور ہے کہ اسے کوئی نہیں جانتا۔ وہ جواریوں کا شہنشاہ کہا

جاتا ہے، لیکن کسی کو یہ تک معلوم نہیں کہ وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ اور اس تک پہنچنے کے براہِ راست وسائل کیا ہیں؟''

''میں خود فارچون ہاؤس کو دیکھوں گا۔'' خان نے یہ کہہ کر گاڑی آگے بڑھادی۔

''کیا آپ کے خیال میں شہر کے اس میونسپل علاقے میں بھی کوئی زمین دوز سرنگ یا راستہ کہیں ہوسکتا ہے؟''

''یہ ناممکن سہی، لیکن سرنگوں سے زیادہ گٹریں تو موجود ہیں؟'' خان کے اس جملے نے بالے کو بھی چونکا دیا۔

''تھوڑی دیر میں ہی ان کی کار فارچون بلڈنگ پہنچ گئی۔ خان نے کار پشت کی طرف اندھیرے میں ہی کھڑی کی۔ ابراہیم باہر ہی موجود تھا۔ اس کے ساتھ تین مسلح سفید پوش اور باہر رہ گئے تھے۔ وہ سلام کر کے اٹینشن ہو گئے۔

خان کار سے اتر کر پچھلے دروازے کے ذریعے اندر داخل ہو گئے۔

اس وقت تک اوپری منزل کے ایک کمرے میں وہ مین بورڈ تلاش کر لیا گیا تھا جس کی مدد سے پوری عمارت روشن ہو گئی تھی۔ ڈیسوزا اس وقت اس بڑے ہال کی تلاشی لے رہا تھا جہاں میزوں پر کاغذات پڑے تھے۔ خان نے ڈیسوزا کے سلام کا جواب اشارے سے دیتے ہوئے میز پر پھیلے کاغذات کو دیکھنا شروع کیا۔ یہ ایک پراسپکٹو اسٹاک ایکسچینج کمپنی کے کاغذات تھے جن میں کمپنی کی اسٹیشنری کے علاوہ کاروبار کی بعض فائلیں، کمپنی کا لٹریچر اور پراسپکٹس وغیرہ تھے۔ خان ان کاغذات کو الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد اس ہال کے فرش کا غور سے جائزہ لینے لگا۔ پھر وہ اس کی دیواروں کے سروں کو ٹٹولنے لگا۔

ہال کا جائزہ لینے کے بعد وہ اوپری منزل پر پہنچ گیا۔ یہاں پہلے اس نے اس

کمرے کا معائنہ کیا جس میں بورڈ نصب تھا مین سوئچ کا کور جستے کا تھا اور اس پر بیک لائٹ کور چڑھا ہوا تھا۔

''اسے ضرور اسی کمرے میں موجود کسی آدمی نے ہی آف کیا ہوگا۔'' خان نے ڈیسوزا سے تفصیل سننے کے بعد کہا۔

''جی ہاں۔ اور ابھی انسپکٹر شاہ نے اسے آن کیا ہے۔'' ڈیسوزا نے بتایا۔

''بیک لائٹ پر اکثر پسیجے ہوئے ہاتھ کی انگلیوں کے نشانات ابھر آتے ہیں۔'' خان نے اشارۃً ڈیسوزا کو بتایا۔ ''ایسا کرنے میں احتیاط برتنی چاہیے تھی۔'' ڈیسوزا نے کوئی جواب نہ دیا۔ غلطی اس سے ہوئی یا شاہ سے، بہر حال ہو چکی تھی۔ پھر خان تھکے ہوئے انداز میں کمرے میں بچھے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اسی کمرے میں دیوار پر وہ لکڑی کا فریم موجود تھا جس کے اندر کی سطح لکڑی کے بورڈ کی طرح تھی۔ اور اس پر چاک سے رنگ برنس کا نارگیٹ چارٹ بنا ہوا تھا۔

بالے ٹہلتا ہوا اس کے پاس جا کھڑا ہوا اور غور سے اسے دیکھنے لگا۔

''یہ کیا چیز ہو سکتی ہے؟'' اس نے پلٹ کر خان سے پوچھا۔ ''مجھے الٹے سیدھے کے سوالات معلوم ہوتے ہیں۔''

لیکن خان اس وقت کچھ اور سوچ رہا تھا۔ اتنے میں بالے کا ہاتھ دیوار گیر برقی لیمپ پر چلا گیا۔ جوں ہی اس نے غیر ارادی طور پر اسے گھمایا، وہ خفیہ دروازہ جو بورڈ کی شکل میں تھا آپ سے آپ اوپر اٹھ کر کھل گیا۔ خان بھی اسے دیکھ کر چونک پڑا۔ اور بالے کے ساتھ ہی وہ بھی اس میں داخل ہو گیا۔ مگر یہاں بھی کوئی قابلِ ذکر بات نہ تھی، سوائے اس ماسٹر فون کے جو صوفے سے لگی میز پر کسی بڑے سگار کیس کی طرح رکھا ہوا تھا۔ اس کا سوئچ دباتے ہی اسے مختلف آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یہ آوازیں خود پولیس کے آدمیوں کی ہی تھیں، جو نیچے ہال میں موجود تھے۔ اس نے ٹارچ روشن کر کے محدب

شیشہ نکال کر باکس کو غور سے دیکھا، اس پر کسی کی انگلیوں کے نشانات نہ تھے۔

''دستانے۔'' وہ خود ہی بڑبڑایا۔

''کچھ فرمایا آپ نے؟'' بالے چونک کر اس کی طرف پلٹا۔

''ابھی یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ معاملات کی نوعیت کیا ہے۔ آیا اس کمپنی اور اس نامعلوم بلیک مین کے خفیہ قمار کانے کا کوئی تعلق ہے یا اس دفتر کے مالکوں کی لاعلمی میں رات کو سونی رہنے والی اس عمارت کو استعمال کیا جا رہا ہے۔'' خان نے کہا۔

ویسے اب تک کہیں اس قسم کے آثار نہ ملے تھے جن سے اس عمارت کے کسی بھی حصے کے غیر قانونی استعمال کا جواز پایا جا سکے۔

پولیس کے لیے شبے کی مخصوص وجوہ صرف دو تھیں۔ ایک تو کھڑکی سے فائرنگ اور دوسری ان آدمیوں کی پراسرار گم شدگی۔ فائرنگ کا معاملہ ثابت کرنا تو خود اس وقت قانون کی دسترس سے بھی باہر تھا، اس لیے کہ رؤف گولی چلتے ہی فوراً زمین پر اوندھا گر پڑا تھا۔ اگر واقعی کوئی ہلاک ہو گیا ہوتا تو زیادہ سخت اقدامات کا امکان تھا۔

خان نے تو پولیس کو محض شبے کا فائدہ لے کر اس مقام پر چھاپا مارنے کے لیے یہ اسکیم بنائی تھی، لیکن نتائج خلافِ توقع اور حیرت ناک نکلے۔

''کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ لوگ کسی اور راستے سے نکل ہی گئے ہوں؟'' خان نے ڈیسوزا کی طرف دیکھ کر کہا۔

''چاروں طرف مضبوط نگرانی تھی، صاحب۔ آخر کہیں سے تو نکلتے۔'' ڈیسوزا نے بتایا۔

''تو پھر بے چارے شرم سے پانی پانی ہو کر بہہ گئے ہوں گے۔'' بالے نے رائے دی۔ ڈیسوزا مسکرا دیا، لیکن خان کچھ نہ بولا۔ وہ صوفے سے اٹھ کر ٹہلتا ہوا کمرے کے باہر نکل آیا۔ پھر ایک کاریڈور کو عبور کرے وہ ایک بند دروازے پر رک گیا۔ دروازہ

اندر سے بند تھا۔ اسے کھولنے کی دوسری کوششیں جب ناکام ہوگئیں تو کی ہول پر فائرنگ کر کے اسے توڑ ڈالا گیا۔ اندر کچھ بھی نہ تھا، سوائے ایک چھوٹے سے ہال کے جو بالکل صاف اور سونا پڑا تھا۔

یہ ہال دائرے کی شکل میں تھا اور اس میں صرف ایک دروازہ اور چار کھڑکیاں تھیں جن پر شیشے چڑھے ہوئے تھے۔

''یہاں کیا ہوتا ہوگا؟'' بالے نے پوچھا۔

''یہاں گدھے لوٹتے ہوں گے۔'' خان نے جلے ہوئے الفاظ میں کہا۔

اچانک بالے اس کے فرش پر چلتے چلتے لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اور جب تک خان چونک کر اٹھے، ہال کا دائرہ نما فرش بڑی تیزی سے کسی کمہار کے چکے کی طرح گھومنا شروع ہوگیا۔

ایسی صورت میں کوئی بھی کوشش بے کار تھی۔ کان بھی خود کو سنبھال نہ سکا اور فرش پر آرہا۔ ان کی آنکھوں میں چھت گردش کر رہی تھی اور وہ خود گردش کرتے ہوئے فرش پر اس تیزی سے چکر کھا رہے تھے کہ سنبھلنا مشکل تھا۔ اس کیفیت میں بھی خان نے ایک بار بڑی تیزی سے کروٹ لی اور دیوار کی طرف لڑھکنے لگا، لیک دیوار کو تھامنے کی کوشش بھی رائگاں گئی۔ دیوار اپنی جگہ قائم تھی اور صرف فرش گھوم رہا تھا۔ پھر آپ سے آپ ان کی آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا اور وہ بند ہوگئیں۔

☆☆☆☆☆☆

بالے کی جس وقت آنکھ کھلی تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے کمرے کے سرہانے کی طرف کھڑکی سے صبح کا سورج جھانک رہا ہے۔ شاید ۸ بجے کا وقت ہوگا۔

''چلو اٹھو، بہت سو لیے۔'' اسے خان کی آواز سنائی دی اور اس نے جب

چونک کر دیکھا تو خان بھی سرہانے ہی موجود تھا۔خلافِ توقع وہ اس وقت ہر صبح کی طرح مسکرا نہیں رہا تھا۔اس کے چہرے پر کسی گہری سوچ کے آثار تھے۔

''یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟''بالے بڑبڑاتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

''کیا یہ کم حیرت ناک نہیں کہ ہم سے ہر ایک کی اپنے اپنے بستر پر آنکھ کھلی ہے؟''خان نے پاس پڑی ہوئی آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تو کیا آپ بھی...یعنی کہ...مگر نہیں، وہ خواب کیسے ہوسکتا ہے؟ ہم نے کل رات ہی چھاپا مارا تھا نا؟''

''خیال تو ایسا ہی ہے کچھ۔''

''میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔''

''ابھی صرف اسی قدر سمجھنے کی کوشش کرو کہ ہم اپنے اپنے بستروں پر کیسے پہنچے؟''

''نوکر اٹھا کر لائے ہوں گے شاید دروازے پر۔''

''انھیں تو یہ بھی علم نہیں کہ ہم رات کب واپس لوٹے ہیں۔''

''ہائیں،تو کیا اڑ کر آ گئے تھے ہم؟''

''کیسے بھی آئے ہوں،لیکن لانے والوں کی ہمت کی داد دینی چاہیے کہ ہمیں باقاعدہ ہمارے بستروں میں سلا کر گئے۔''

''بڑے شریف آدمی تھے۔''بالے جلے ہوئے لہجے میں بڑبڑایا اور پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

''لیکن ہم تو اس گردش کرتے ہوئے کمرے میں...''

''ہاں۔اور اب آنکھ کھلی ہے۔''

''اور دوسرے لوگ؟''

Akram Allahabadi

''میں نے ابھی ابھی ٹیلی فون سے پوچھا۔ڈیسوزا بھی اپنے گھر پر موجود ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ انسپکٹر شاہ نے اور دوسرے آدمی اپنے اپنے اسٹیشنوں پر پائے گئے۔وہ اپنے آفس کی کرسیوں پر بیٹھے بیٹھے سو رہے تھے۔''

''کیا آپ جادو منتر کے قائل ہیں؟'' بالے نے ذہنی طور پر ہتھیار ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''اس تنظیم کا قائل ہونا پڑے گا جو اس قدر ہوشیاری سے اتنے خطرناک کام انجام دے سکتی ہے۔''

''اور فارچون ہاؤس؟''

''میں اسی وقت اس پر دوبارہ چھاپا مارنا چاہتا ہوں۔تم فوراً تیار ہو جاؤ۔''

''میرا خیال ہے اب کی بار ہماری آنکھ کسی مویشی خانے میں ہی کھلے گی۔'' بالے بولا۔مگر خان نے کوئی جواب نہ دیا۔

''آخر ان لوگوں کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا؟'' بالے نے اب کی بار سنجیدگی سے سوال کیا۔

''میں نے ابھی پوچھا نہیں ہے تفصیل سے۔بہر حال جلدی کرو، وہ کم از کم یہ توقع تو نہ رکھتے ہوں کہ ہم آنکھیں کھولتے ہی پھر ان پر چھاپا مار دیں گے۔''

''مکھے تو یہ بلیک میں اور اس کی فورس کافی خطرناک معلوم ہو رہی ہے۔''

''میرا بھی خیال ہے کہ مقابلہ معمولی مجرموں سے نہیں ہے۔''

''تو پھر میں غسل بھی کر لوں؟''

''اس کی ضرورت نہیں، مرو گے تو لوگ خود ہی نہلا دیں گے۔اس وقت اتنی فرصت نہیں ہے۔''

''عذاب ثواب بر گردنِ راوی۔''

وہ یہ کہتا ہوا باتھ روم کی طرف چلا گیا اور کان دروازے سے نکل کر اپنے ڈریسنگ روم میں داخل ہوگیا۔

ابھرتے دن کے ساتھ ٹھیک نو بج کر ۴۰ منٹ پر ایک بار پھر پولیس نے فارچون ہاؤس کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پولیس آپریشن

خان خود اس وقت اس آپریشن کی قیادت کر رہا تھا۔لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ عمارت کے دروازے پر اس وقت باقاعدہ ایک مسلح گورکھا دربان موجود تھا اور کچھ لوگ اندر آجا رہے تھے۔پولیس کے اس اچانک چھاپے سے آس پاس کے علاقے میں بھی کھلبلی مچ گئی۔دوسری عمارتوں کے لوگ، حتیٰ کہ راہ چلتے لوگوں نے بھی باہر ہجوم لگالیا۔

دروازے پر ایک سب انسپکٹر اور دو مسلح سپاہیوں کو چھوڑ کر خان باقی آدمیوں کو ساتھ لیے اندر داخل ہوگیا۔ڈیسوزا، رؤف ابرہیم اور ڈپٹی انسپکٹر شاہ کی معیت میں پچھلے دروازے سے داخل ہو چکا تھا۔وہ دروازہ اس وقت ایک ہلکی سی دستک پر اندر سے کھول دیا گیا تھا۔خان نے پچھلے میدان کی طرف سے گھوم کر آتے ہوئے تنگ راستے کے موڑ پر اسرار اور نبی خاں کو تین سپاہیوں کے ساتھ متعین کر دیا تھا۔پولیس کے کسی بھی آدمی کو یہ اجازت نہ تھی کہ وہ اس اقدام کے سلسلے میں کسی کو کچھ بھی بتائے۔

خان جس وقت عمارت میں داخل ہو رہا تھا۔اسے اندر کی طرف چند آدمی ہاتھوں میں کاغذات اور فائلیں لیے نقل و حرکت کرتے نظر آئے لیکن کسی نے بھی پولیس سے کوئی تعرض نہیں کیا۔البتہ ان میں کچھ پولیس کی آمد پر اظہارِ حیرت کیے بغیر نہ رہ سکے۔

خان ایک بڑے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر رک گیا۔یہاں باہر مینجنگ ڈائرکٹر کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔اس روم سے ملحق نچلی منزل کے ہال میں ان ہی پیڑوں پر، جنہیں وہ رات کو دیکھ چکے تھے، بہت سے کلرک بیٹھے کام کر رہے تھے۔بالے

خان کے پیچھے تھا۔

''تمام کمروں اور راستوں پر پہرہ قایم کر دیجیے، کوئی باہر نہ نکلنے پائے۔''

خان نے پلٹ کر انسپکٹر چوپڑہ کو حکم دیا۔ وہ، 'بہت بہتر'، کہتا ہوا پیچھے سے کھسک گیا۔ آفس کے دروازے پر ایک باوردی چپراسی موجود تھا۔

''اندر کون ہے؟'' خان نے اس سے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

''ہُم...'' کہتا ہوا وہ اچانک اندر داخل ہو گیا۔ لیکن نتیجہ خلاف توقع نکلا۔ اندر ایک شان دار بڑی میز کے نزدیک ریوالونگ چیئر پر بیٹھا ہوا آدمی ایک ان جان چہرہ تھا۔ یہ شکل یقیناً اب سے پہلے اس نے نہیں دیکھی تھی۔

''فرمایے؟'' وہ خان کو دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ خان اس وقت یونیفارم میں تھا۔

''آپ تشریف رکھیے، میں آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔'' خان نے سامنے والی نشست پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، بالے کمرے کے باہر ہی رہ گیا تھا۔

''اخلاقاً آپ کو اندر آنے کے لیے اجازت لینی چاہیے تھی۔'' مینجنگ ڈرکٹر نے روکھے سے لہجے میں کہا۔ ''ایسی صورت میں میں یقیناً آپ کا خیر مقدم کرتا۔''

''بعض سرکاری اقدامات اپنی مصلحتوں کے پیشِ نظر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ بہر حال میں جو کچھ پوچھنا چاہتا ہوں، امید ہے کہ آپ اس کا صحیح صحیح جواب دیں گے۔''

''سب سے پہلے تو مجھے آپ یہ سمجھا دیجیے کہ اس طرح کسی با عزت فرم پر پولیس لے کر چڑھ آنے کا مقصد کیا ہے؟ ہماری اس سے بدنامی کا ذمہ دار کون ہوگا؟''

''آپ عدالت یا حکومت سے رجوع کیجیے گا۔ مجھے اپنے محکمے کی طرف سے اس قدر اختیارات حاصل ہیں کہ کسی بھی سنگین معاملے میں میں اس قسم کے اقدامات

کرسکوں۔''

''سنگین...! کیا اس کاروباری فرم سے بھی کسی سنگین معاملے کا تعلق ہوسکتا ہے؟'' اس دہرے بدن کے گورے سے آدمی نے، جس کے بشرے پر حیرت، پریشانی یا تفکر کے خفیف سے آثار ابھی اب تک نہ نظر آئے تھے، بڑے مطمئن لہجے میں سوال کیا۔

''یہ کاروبار کی نوعیت پر منحصر ہے۔ ویسے یہ بات قانون کے لیے قابلِ اطمینان نہیں کہ دن میں آپ اسٹاک ایکسچینج کا بزنس کریں اور راتوں کو...''

''راتوں کو کیا؟ معاف کیجیے گا آپ کسی غلط فہمی کے شکار معلوم ہوتے ہیں۔ ہمارے دفاتر میں راتوں کو کبھی کام نہیں ہوا ہے۔'' مجرّب ڈائرکٹر کا لہجہ اب بھی صاف اور سنجیدہ تھا۔

''آپ کے دفاتر کب بند ہوتے ہیں؟''

''روز ۶ بجے شام کو۔ کیوں...؟''

''کھلتے کب ہیں؟''

''صبح ساڑھے آٹھ بجے۔ لیکن آخر آپ اصل مقصد کیوں نہیں بیان کرتے ہو؟'' اس آدمی پر اب جھنجلاہٹ سوار ہو چکی تھی۔

''کیا رات کو یہاں کوئی بھی نہیں رہتا؟''

''صرف چوکیدار رہتا ہے۔''

''اور اس نے آپ کو کبھی یہ نہ بتایا ہوگا کہ راتوں کو یہی عمارت شہر کے بدترین جرائم کا ہیڈ کوارٹر رہتی ہے؟'' خان کا لہجہ اب معنی خیز ہوگیا تھا۔ وہ غور سے اپنے جملوں کے ردِعمل کو مقابل کے چہرے پر پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''یہ آپ سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں؟'' اس نے حیران ہوکر پوچھا۔

''تو کیا میں یہاں پولیس فورس لے کر مذاق فرمانے آیا ہوں؟''

''آپ یقین مانیے، ہمارے دفاتر صرف دن میں کام کرتے ہیں۔رات کے اوقات میں یہاں کچھ نہیں ہوتا نہ کہ جرائم یا ان سے کوئی تعلق۔آپ کو ضرور کسی نے غلط فہمی میں مبتلا کیا ہے۔یا ممکن ہے آپ صحیح مقام پر نہ پہنچے ہوں۔''

منیجر کا لہجہ اس بار بھی سنجیدگی لیے اور سادہ تھا۔اور خان کی ذہنی الجھن یہ دیکھ کر بڑھتی جا رہی تھی کہ اس کے مقابل کا لب ولہجہ، اس کے بشرے کے تاثرات، اس کی آنکھوں کی کیفیت، سب کچھ اس کے جملوں کی صداقت کی آئینہ داری کر رہے تھے۔

''کیا یہ ممکن نہیں کہ راتوں کو کچھ نا معلوم لوگ اس عمارت کو اپنے مجرمانہ مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہوں؟''

''میں آپ سے سچ عرض کر رہا ہوں، جناب، کہ میں ایسا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''کیا آپ نے کبھی بھی اس عمارت کو رات کے اوقات میں دیکھا ہے؟''

''ایسی تو کوئی ضرورت نہیں پیش آئی کبھی۔لیکن آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھی رات کو کچھ ایسا ہوا ہے؟''

''میں خود یہاں گزشتہ شب موجود تھا۔''

''اوخدا، میں نے ایسی حیرت انگیز بات شاید زندگی میں کبھی نہیں سنی۔''

''کچھ بھی ہو، میں اس عمارت کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔''

''آپ شوق سے ایسا کر سکتے ہیں، لیکن فرم کی اس سے جو بدنامی ہوگی اس کے لیے آپ کو عدالت میں جواب دہ ہونا پڑے گا۔''

''میں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتا ہوں اور ہاں تاوقتیکہ پولیس اپنا کام نہ ختم کر لے۔آپ یا آپ کے اسٹاف میں سے کوئی باہر نہ جا سکے گا۔''

''اس میں کوئی حرج نہیں۔میں ابھی ہدایت جاری کیے دیتا ہوں۔'' یہ کہہ ر

اس نے میز کے ایک سرے پر رکھے وہیٹے ماسٹر فون کا سوئچ دبا دیا۔

''سکریٹری۔'' وہ اس کی طرف جھک کر بولا۔

''یس، سر۔'' ایک باریک سی نسوانی آواز ماسٹر فون پر سنائی دی۔

''اسٹاف کو ہدایات کر دیجیے کہ تا وقتیکہ پولیس اپنا کام نہ ختم کر لے کوئی آفس سے باہر نہ جائے۔''

''او کے، باس۔'' ادھر سے جواب ملا۔

خان اٹھ کھڑا ہوا اور اس سے کچھ کہے بغیر دروازے سے باہر نکلنے لگا، لیکن دہلیز پر پہنچتے ہی وہ بڑی پھرتی سے گھوما اور اس کی نظریں منیجنگ ڈائرکٹر کے چہرے پر جم گئیں، لیکن یہ تجزیہ بھی بے سود رہا۔ منیجنگ ڈائرکٹر کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے خالی تھا۔ اس نے اس سے ملحق روم میں جھانک کر دیکھا، بالے وہاں ایک اینگلو انڈین لڑکی سے سوالات کر رہا تھا۔ یہ لڑکی ہی شاید وہ سکریٹری تھی جسے ابھی ابھی منیجنگ ڈائرکٹر نے ہدایات دی تھیں۔

''آپ شام کے اوقات میں تفریح تو کرتی ہوں گی؟'' بالے اس کی میز پر ایک کہنی ٹیکے اس سے پوچھ رہا تھا۔

''کیوں نہیں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''کون سے ہوٹل میں؟ پارک میں یا وغیرہ وغیرہ میں؟''

''میں صرف سمندر کنارے چہل قدمی کرتی ہوں۔'' اب کی بار اس کے الفاظ میں شوخی کی جھلک تھی۔

''اکیلے یا کوئی اور بھی؟''

''تمہارے فرشتے بھی ساتھ ہوتے ہیں۔'' پیچھے سے خان کی آواز نے بالے چونکا دیا۔ وہ جلدی سے سیدھا کھڑا ہو گیا۔

Akram Allahabadi

''بیان لے رہا تھا۔''اس نے انتہائی معصومت کے ساتھ خان کی طرف رخ کر کے جواب دیا۔

''باہر نکلو۔''

''چلیے ،میڈم۔''

''صرف تمہیں کہہ رہا ہوں۔''

''نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن...وہ بھی اکیلے نہیں نکلے تھے۔''

''تم اپنی بے ہودگیوں سے باز نہیں آتے۔'' کاریڈور میں چلتے ہوئے خان نے ڈانٹنے والے لہجے میں اس سے کہا۔

''میں اس سے دوستی گانٹھ رہا تھا۔''

''وہ لوگ اتنے بے وقوف ہوتے تو رات تمہاری حجامت نہ ہوگئی ہوتی۔''

''میں اکیلا نہیں تھا۔''بالے نے خان کو بھی رات والے معاملے میں شامل کرتے ہوئے کہا۔

''بکومت۔اگر ہم یہاں سے کوئی قابلِ اعتراض چیز برآمد نہ کر سکے تو قانونی طور پر بڑی عجیب پوزیشن میں پڑ جائیں گے۔''

''مگر آپ تو کبھی غلط قدم نہیں اٹھاتے۔''بالے نے طنز کیا۔

''سر دست تو انھیں یہی موقعہ دینا ہے کہ پولیس اول درجے کی بے وقوف ہے ان کے سامنے۔''خان نے آہستہ سے کہا۔

''آج آپ کی باتیں میرے پلے نہیں پڑ رہیں۔''

''رات کے واقعات سے معاملات کچھ اتنے ہی نازک ہو گئے ہیں۔''

''پھر اب کیا ارادہ ہے آپ کا؟''

''بس تلاش اور معذرت۔''

Akram Allahabadi

''تو کیوں نہ پہلے ہی معذرت کر لی جائے۔''

''بالکل گدھے نہ بنو۔''

''میں تھوڑا سا بھی نہیں ہوں۔''

اس کے بعد وہ اس نچلے ہال میں پہنچ گئے جہاں گزشتہ رات بھی انھیں میزوں پر کاغذات پڑے نظر آئے تھے۔اس وقت یہاں تقریباً نصف درجن کلرک کام کر رہے تھے۔

''کیا ہم ان لوگوں کے بیانات نہیں لے سکتے؟''

''وہ سب وہی کچھ بولیں گے جو ان کے مینیجنگ ڈائرکٹر نے کہا ہے۔''

''پھر...؟''

''اور اتنے چالاک لوگ کوئی ایسی علامتیں بھی نہ چھوڑ گئے ہوں گے جو ہمارے کام آسکیں۔''

''کم از کم وہ گھومتا گول کمرہ۔''

''چلو اوپری منزل پر، اسے بھی دیکھ لیا جائے۔''

مگر جب وہ اوپر پہنچے تو یہ دیکھ کر ان کی حیرت دوچند ہو گئی کہ وہاں اس قسم کا کوئی گول کمرہ ہی موجود نہ تھا۔صرف نچلی منزل کی طرح ایک بڑا ہال تھا جس کے فرش پر قالین بچھی ہوئی تھی اور اس پر دو صوفہ سیٹ لگے تھے۔کونے میں ایک طرف کتابوں کا ایک ریک تھا اور ایک ٹی ٹیبل پر گل دان رکھا ہوا تھا۔

''کیا یہ کسی طلسم ہوش ربا سے کم ہے، باس؟'' بالے نے سنجیدگی سے خان کو مخاطب کیا۔

''قطعی نہیں۔اور یہ بھی کم حیرت ناک نہیں کہ اس وقت تک اس عمارت سے چڑیا کا بچہ بھی باہر نہیں نکلا تھا۔''

''آپ کسی گٹر کا ذکر کر رہے تھے کل؟''

''اسی لیے تو اپنی حماقت کا اعلان کرتا ہے۔''

''بالے صاحب اس سے مستثنیٰ ہیں۔''

''اس گٹر میں پہلے تم ہی داخل ہو گے۔''

''لعنت ہے اس سارجنٹی پر۔ میں آج ہی استعفیٰ دے دوں گا۔''

''اچھا فرض کرو کہ یہ صوفہ جس پر ہم اس وقت بیٹھ گئے ہیں، آپ سے آپ اپنی جگہ گھومنے لگے؟''

''اور فرض کیجیے کہ میری کھوپڑی گھومنے لگے۔''

''اچھا چلو، میں تمہیں یہ بتا دوں کہ اس ہال کے بالکل اوپر اور بیچ و بیچ میں اوپری کھلی چھت پر ایک گول کمرہ موجود ہے جو چھت پر ٹہلنے والوں کو بارش اور دھوپ سے بچانے کے لیے ہوگا۔''

''یہ کوئی خاص بات نہیں۔ کھلی چھت والی بہت سی بلڈنگوں میں ایسے شیڈ ہوتے ہیں، لیکن آپ نے اس کی چھت کب دیکھی ہے؟'' بالے نے خان سے سوال کیا۔

''صرف اس پاس کی چھت کو غور سے دیکھ لو۔''

خان کے کہنے پر بالے غور سے ہال کی چھت کو دیکھنے لگا۔ نیچے سے بالکل صاف تو نظر نہ آتا تھا، لیکن چھت میں ایک پتلی کارنس کے ساتھ ایک گول دائرہ نما بنا ہوا تھا جس کا قطر کم از کم پانچ فٹ رہا ہوگا۔

''میں چھت پر جا کر دیکھوں؟''

''کوئی حرج نہیں، لیکن یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ تم اس نتیجے پر پہنچ گئے ہو یا اس کے بارے میں تمہیں کوئی شک بھی ہے۔''

Akram Allahabadi

''بہتر ہے۔یں آپ کے آئیڈیے کی تصدیق کر کے آیا۔''

''میں نیچے ملوں گا۔''

خان بالے کو اوپر چھت کی طرف بھیج کر خود نیچے آ گیا۔اس نے دوسری منزل پر وہ کمرہ بھی ایک بار دیکھ ڈالا جہاں رات اسے ماسٹر فون رکھا ہوا ملا تھا۔اس وقت وہ ماسٹر فون وہاں موجود نہ تھا۔غالباً اس وقت وہی مینجنگ ڈائرکٹر کے کمرے میں تھا۔

بالے بھی تھوڑی دیر کے بعد نیچے آ گیا۔وہ خان کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔

''کیا بات ہے؟'' خان مسکرایا۔

''آپ گریجویٹ آدمی ہیں۔''

خان نے کوئی جواب نہ دیا۔اس وقت تک عمارت کے پچھلے حصے کی تلاشی لے کر ڈیسوزا اور ڈپٹی انسپکٹر بھی آ چکے تھے اور وہ بھی حیران تھے کہ رات اس عمارت میں جو حیرت ناک واقعہ ہو چکا ہے اس کے کوئی بھی آثار کہیں پائے نہ جا سکے۔گویا ان حالات میں قانون کی حیثیت اب تک صفر تھی۔خان پولیس کو باہر جانے کی ہدایت کرتے ہوئے پھر ایک بار مینجنگ ڈائرکٹر کے آفس میں گھس گیا اور اس بار پھر بالے کو اس کے سکریٹری کے آفس میں جگہ ملی۔

''مسٹر...''

''میرا نام بشو سین ہے۔'' مینجنگ ڈائرکٹر نے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اپنا نام بتایا۔

''مجھے افسوس ہے کہ آپ کو اور آپ کے اسٹاف کو تھوڑی سی تکلیف ہوئی۔ خان نے معذرت کی۔

''اور مجھے افسوس ہے کہ صرف اس قدر معذرت اس فرم کی بدنامی کو نہ بچا سکے

گی ۔میں عدالت میں اس اقدام کے لیے پولیس سے ضرور جواب طلبی کراؤں گا ۔''

''وہ آپ شوق سے کیجیے، لیکن... کیا آپ اس فرم کے مالک بھی ہیں؟''

''میں فرم کا منیجنگ ڈائرکٹر ہوں ۔یہ پرائیوٹ لمیٹڈ فرم ہے اور اس کے پانچ ڈائرکٹر ہیں ۔''

''اگر کوئی حرج نہ ہو تو ان کے نام بھی بتا دیجیے؟''

''تا کہ آپ انھیں بھی پریشان کریں؟''

''قانون اس اخلاقی امداد کے لیے آپ کا شکریہ ادا کرے گا ۔ویسے یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ پولیس ج ومعلومات حاصل کرنا چاہتی ہے وہ کر ہی لیتی ہے ۔''

''اس جواب پر منیجنگ ڈائرکٹر نے خشک سا موڈ بنائے ہوئے فرم کے پانچوں ڈائرکٹروں کے نام اسے لکھا دیے ۔ان ناموں میں سے تین کان کے جانے ہوئے اور شہر کے معزز لوگوں سے تھے ۔ وہ زیادہ بڑے لوگ تو نہیں تے، لیکن سماج میں ان کی عزت تھی اور کردار بھی ان کے ستھرے ہی جانے گئے تھے ۔چوتھا نام اس کے لیے نیا تھا، وہ کے ایل دیش پانڈے کے کسی ایسے آدمی سے واقف نہ تھا جو شہر میں کوئی باعزت مقام رکھتا ہو، یا کوئی مشہور بیوپاری ہو ۔پانچویں نام پر البتہ وہ چونک سا پڑا ۔یہ نام اس نے کہیں سنا ضرور تھا ۔پھر چند سیکنڈ میں ہی اس کی یادداشت نے اس شخصیت کو عالم تصور میں لا کھڑا کیا، جس سے وہ مونجنی میں ایک بار مل چکا تھا، اسی دن جب برنانڈو کا خون ہوا تھا ۔اس کا نام افسر جنگ تھا اور میجر قادر نے خان سے اس کا تعارف کرایا تھا ۔اس کے ساتھ ہی اسے یہ بھی یاد آ گیا کہ افسر جنگ خود اپنے بیان کے مطابق پی ڈبلیو ڈی کا انجینیر بھی رہ چکا تھا ۔

دوپہر کے وقت جب وہ اپنے آفس پہنچا تو چپراسی نے خبر دی کہ پولیس کمشنر کے پاس سے اسے دوبار بلاوا آچکا ہے ۔سامنے ہی پولیس کمشنر کا آفس اسی احطے کی

دوسری سب سے بڑی تین منزلہ بلڈنگمیں واقع تھا۔خان کو وہاں پہنچنے میں صرف پانچ منٹ لگے،لیکن جب وہ اس کے آفس میں داخل ہوا تو پولیس کمشنر کا موڈ معمول سے مختلف نظر آ رہا تھا۔خان سلام کر کے اس کے اشارے پر سامنے کی نشست پر بیٹھ گیا۔

''پراسپکٹو اسٹاک ایکسچینج والوں نے ہوم ڈپارٹمنٹ کے انڈر سکریٹری سے شکایت کی ہے۔''پولیس کمشنر نے کہنا شروع کیا۔

''مجھے معلام تھا کہ یہی ہو گا،لیکن میں مجبور تھا۔''خان نے یہ کہہ کر گزشتہ شب کے تمام واقعے کی تفصیل پولیس کمشنر کو سنا دی۔

''کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ عمارت ی پہچان میں کوئی بھول ہو گئی ہو؟''کمشنر نے کہا۔

''کیا آپ اس پر یقین کر سکتے ہیں؟''خان نے اسی سے پوچھا۔

''لیکن پولیس کے پاس ایسے جواز نہیں جن سے وہ قانون کو مطمئن کر سکے۔ ہمیں اس کے لیے جواب دہ ہونا پڑے گا۔''

''ہم معذرت کر سکتے ہیں۔''

''کیا اس سے آپ کے ڈپارٹمنٹ کی ناک نہیں کٹے گی؟''

''محض مصلحتاً۔مجھے یقین ہے کہ میں بہت جلد اس کیس کو حل کر ڈالوں گا۔''

''تو پھر آپ خود ہی عدالت میں پیش ہو کر جواب دہی کیجیے گا۔''

''بہتر ہے۔''

اس گفتگو کے بعد خان اٹھ کر چلا آیا۔لیکن وہ یہ محسوس کر چکا تھا کہ وہ اس وقت کمشنر کو مطمئن نہیں کر سکا ہے۔اور اگر خدانخواستہ چالاک مجرم اپنی محتاط روش سے قانون کی گرفت نیں نہ آ سکے تو...لیکن اس کی خود اعتمادی نے اس کے ذہن کی الجھن مٹا دی۔وہ ہر قسم کے حالات میں پرسکون رہ کر کام کرنے کا عادی تھا۔

Akram Allahabadi

واپسی پر ڈیسوزا اور بالے کو کچھ ضروری ہدایتیں دینے کے بعد وہ پانی کا رلے کر چل دیا۔ بالے کی بھی طبیعت آج کچھ بے چین سی تھی۔ وہ بھی آفس میں زیادہ دیر نہیں ٹھہرا۔ خان یہ کسی کو بھی بتا کر نہیں گیا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔

اسی شام کو جب بالے اپنی موٹر سائیکل لیے چرچ روڈ سے گزر رہا تھا، اچانک اس کے ہاتھ بریک پر جم گئے۔ سڑک کے کنارے فٹ پاتھ سے لگ کر ایک ٹیکسی رک رہی تھی اور اس میں سے اترنے والی لڑکی... وہ یقیناً پراسپکٹو اسٹاک ایکسچینج کے مینجنگ ڈائرکٹر کی سکریٹری تھی۔ ٹیکسی آگے نکل گئی اور وہ فٹ پاتھ پر آگے کی طرف پیدل چلنے لگی۔ اس نے سرخ سایہ پہن رکھا تھا اور اس کے گہرے کتھئی رنگ کے ریشمی بال اس کے کندھے تک بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ ایک آدمی اور تھا، جس کا قد تقریباً اتنا ہی تھا جس قدر اس لڑکی کا۔ ایسے ڈیل ڈول میں وہ خاصہ تندرست اور بھاریمعلوم ہوتا تھا۔ اس نے سر پر بھورے رنگ کی فیلٹ ہیٹ لگا رکھی تھی۔ بالے نے اسی وجہ سے آگے بڑھ کر نہیں ٹوکا۔ اس پستہ قد آدمی کو دیکھتے ہی اس کے ذہن میں ایک نیا خیال رینگنے لگا تھا۔

وہ دونوں فٹ پاتھ کے کنارے چند قدم چل کر ایک پتلی سی گلی میں گھوم گئے۔ بالے نے اپنی موٹر سائیکل ایک سڑک کے کنارے والی بیکری کے دروازے پر کھڑی کر دی۔

''ذرا میری گاڑی دیکھنا، میں ابھی آتا ہوں۔'' اس نے بیکری کے چوکیدار کے ہاتھ پر ایک روپیہ رکھتے ہوئے چلتے چلتے کہا۔

''اچھا، صاحب۔'' چوکیدار اس غیر متوقع آمدنی پر خوش ہو کر بولا۔

بالے بھی لمبے لمبے قدم اٹھاتا سڑک کو عبور کر کے اس گلی میں داخل ہو گیا۔ وہ اوو قت گلی میں پہنچا جب وہ دونوں ایک پرانے سے مکان کے نیم شکستہ زینے پر قدم رکھ

رہے تھے۔ بالے اس وقت اپنی اصلی شکل اور سادہ لباس میں تھا۔ لیکن شیطان کے نام کی طرح شہرت رکھنے والے اس پولیس سارجنٹ کا پہچان لیا جانا یہاں بھی ناممکن نہ تھا۔ اس لیے وہ لاپرواہی سے ادھر ادھر دیکھتا چلتا ہوا اس مکان کے سامنے سے گزر گیا۔ اس کا اندازِ رفتار بتا رہا تھا کہ جیسے وہ محض تفریحاً ادھر سے گزر رہا ہو۔ ترچھی نظروں سے اس نے یہ دیکھ لیا کہ ان سیڑھیوں سے اوپر ایک بورڈ لگا ہوا تھا جس پر لکھا تھا۔

''گولڈ اسٹار کلب''

جام جس قدر شان دار تھا، جگہ اتنی ہی خستہ اور معمولی نظر آ رہی تھی۔ پاس کے ایک پان کی دکان والے نے جس کی دکان پر زبردستی بالے کو ایک پان بھی کھانا پڑا، اسے بتایا کہ اس اتنے چھوٹے سے کلب کی تقدیر بہت بڑی ہے۔ کبھی کبھی تو یہاں موٹریں آ کر کھڑی ہوتی ہیں۔ اور ویسے بھی اس گلی کی آبادی معمولی شہریوں اور زیادہ تر گودیوں وغیرہ میں کام کرنے والے مزدوروں پر مشتمل تھی۔ مکانات بھی پرانے اور کستہ حال تھے اور دکانیں بھی معمولی۔ بالے کے لیے اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ یا تو ایسی حالت میں کلب میں داخل ہو جائے یا واپس لوٹ کر فون کر کے عملے کے کسی دوسرے آدمی کو بلائے۔ اس نے دوسری تجویز زیادہ موزوں سمجھی اور اسی ٹہلنے والے انداز میں آہستہ آہستہ چلتا سڑک پر واپس آ گیا۔ بیکری میں فون موجود تھا۔ نمبر ملاتے ہی اس نے آپریٹر کو رؤف کو بلانے کے لیے کہا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کر دی کہ وہ ریکس سنیما کے بکنگ کلرک کو کسی طرح بھی ساتھ لیتا آئے۔ اس کے بعد وہ پھر اسی گلی کے موڑ پر کھڑا ہو کر اس کلب کی طرف دیکھنے لگا تاکہ وہ لوگ نکل کر جانے نہ پائیں۔

تقریباً بیس منٹ کے بعد ہی ایک ٹیکسی آ کر بیکری کے سامنے رکی۔ رؤف نے دور سے ہی بالے کو دیکھ لیا تھا۔ مصلحتاً رؤف اس وقت اپنے معمول کے لباس میں نہ تھا۔ اس نے بدن پر صرف ایک پتلون اور ایک بنیان پہن رکھی تھی۔ ایسی آبادی اور ایسے

مقامات کے لیے اس قسم کے لباس کبھی کسی خصوصی توجہ کا سبب نہ بنتے تھے۔ ریکس کا بکنگ کلرک اس کے ساتھ تھا۔ وہ بے چارہ اس اچانک آفت سے گھبرایا ہوا سا تھا۔

''اس کلب میں ایک سرخ سایہ پہنے ہوئے اینگلو انڈین لڑکی اور ایک پستہ قد آدمی موجود ہیں۔ تم دونوں اس کیفیت میں اندر جا سکتے ہو۔'' بالے نے بتایا۔ ''اور اگر میرا شبہ صحیح ہے اور وہ ہی آدمی ہے تو وہ انھیں دیکھ کر...'' اس نے بکنگ کلرک کی طرف اشارہ کیا۔ ''ضرور چونکے گا۔ ممکن ہے وہ کوئی حرکت بھی کرے۔ پھر آگے میں سمجھ لوں گا۔''

''مجھے بھی سمجھ دی ہے خدا نے۔'' رؤف نے برا مانتے ہوئے کہا۔

''پہلوانوں کی عقل موٹی ہوا کرتی ہے، رؤف بھائی۔'' بالے نے سنجیدگی سے کہا اور قبل اس کے رؤف اور چراغ پا ہو، وہ مسکرا دیا۔

''اچھا جاؤ جاؤ، پہلے کلب میں تو جاؤ۔'' بالے نے اس کی پیٹھ تھپک کر اس کو اس طرح چمکارا جیسے کسی ضدی بچے کو کسی کام کے لیے سمجھا کر بھیجا جائے۔

☆☆☆☆☆☆

رؤف اور ریکس کا بکنگ کلرک جس وقت کلب میں داخل ہوئے تو انھیں دیکھ کر کلب میں سامنے کی میز پر بیٹھے ہوئے دو آدمی چونک سے پڑے۔ ان کے لیے یہ چہرے نئے تھے۔ رؤف نے دیکھا، اندر اس وقت سناٹا تھا۔ صرف ایک بڑی گول میز کے گرد پانچ چھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے، جن میں وہ لڑکی اور وہ پستہ قد آدمی بھی شامل تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کچھ گفتگو کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے اس طرف دیکھا بھی نہیں۔

''کیا چاہیے، صاحب؟'' سامنے بیٹھے دو آدمیوں میں سے ایک ان کی طرف بڑھا۔

Akram Allahabadi

''کچھ چرس ورس؟'' رؤف نے اسے آنکھ مار کر بولا۔

''یہ چنڈوخانہ نہیں، کلب ہے۔'' وہ آدمی جلے ہوئے لہجے میں بولا۔

''لو یار، اور سنو۔'' رؤف نے کلرک کو مخاطب کیا۔ ''وہ لوگ تو کہہ رہے تھے کہ جتنی مانگو مل جاتی ہے۔ خیر کچھ پینے کو ہی لے آؤ۔''

''یہ کلب ہے۔'' اس آدمی نے پھر دہرایا۔ اس بار اس کا لہجہ کرخت تھا۔

''تو پھر کیا یہاں جھک مارتے ہیں لوگ؟'' رؤف نے بھی ویسے ہی لہجے میں جواب دیا، جس پر اس بڑی میز پر بیٹھے لوگ چونک کر ادھر دیکھنے لگے۔

''کیا بات ہے؟'' پستہ قد آدمی نے جو انداز تکلم سے یا تو کلب کا مالک یا ان سب میں با اثر معلوم ہوتا تھا، وہیں سے بھاری آواز میں پوچھا۔

''نہ جانے کہاں کے آ گئے ہیں؟ پینے کو مانگتے ہیں۔'' اس آدمی نے جواب دیا۔

''کون ہیں یہ لوگ؟'' یہ کہتا ہوا پستہ قد آدمی اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کی طرف آیا، لیکن جیسے ہی ان کی نظر بلنگ کلرک پر پڑی وہ چونک سا پڑا۔ بلنگ کلرک نے بھی فوراً میز کے نیچے رؤف کا ہاتھ دبا دیا جس کا مطلب تھا کہ یہی آدمی ہے۔ پستہ قد آدمی نے جلدی ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا اور بلنگ کلرک نے بھی اس وقت کچھ ایسی اداکاری دکھائی کہ رؤف دل ہی دل میں اس کی عقل مندی کا قائل ہو گیا۔ اس نے اس پستہ قد آدمی کی طرف سے اس طرح بے توجہی کا اظہار کیا جیسے یا تو وہ اسے پہچانا ہی نہ ہو یا اسے کوئی پچھلی بات یاد ہی نہ ہو۔

''کیا ہے، بھائی؟ کیا شور مچایا ہے تم لوگوں نے؟'' پستہ قد آدمی یہ کہتا ہوا ان کے قریب آ گیا۔ کیوں کہ اس کا واپس لوٹ جانا شاید اس کے خیال کے مطابق ان نو واردوں کو شبے میں مبتلا کر سکتا تھا۔

''کچھ نہیں، صاحب۔ذرا سی پینے کو مانگی تھی۔کلب میں نہیں ملے گی تو کہاں ملے گی۔'' رؤف نے شکایتی لہجے میں کہا۔ساتھ ہی اس نے یہ بھی اندازہ کرلیا کہ اس کا مقابل پستہ قد بڑی چالاک نظریں رکھتا ہے۔قریب سے کافی خوفناک معلوم ہورہا تھا۔

''مگر یہاں کلب میں تو صرف کھیل ہوتے ہیں۔''

''سب چلتا ہے۔'' رؤف نے کہا۔''کون سا کلب ایسا ہے جہاں نہیں پی جاتی۔''رؤف بضد ہوگیا۔

''پرسرام،تھوڑی بہت دے دلا کر چھٹی کرو نا ان کی۔'' پستہ قد آدمی نے ان دو آدمیوں میں ایک کو اشارہ کیا۔

''اچھا، صاحب۔'' وہ یہ کہہ کر رؤف کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتا ہوا ایک دوسرے اندرونی کمرے میں چلا گیا۔اور رؤف کلرک سے شہر کے خشک موضوع پر باتیں کرنے لگا۔وہ باقی ماحول سے قطعی غیر متعلق بن گئے۔

شام کا اندھیرا اب گہرا ہو چلا تھا اور بتیاں روشن ہوگئی تھیں۔کلب کے اس اوسط درجے کے ہال میں جو اندر سے اتنا پرانا نہیں معلوم ہوتا تھا جس قدر باہر سے۔ چھت گیر ٹیوب روشن ہو چکے تھے اور رؤف اس کلرک کے ساتھ اب تک بیٹھا گلاس میں انڈیلی ہوئی دیسی شراب کی چسکیاں لے رہا تھا۔کلرک شاید عادی معلوم ہوتا تھا، وہ کافی پی گیا۔جس میں رؤف کے گلاس کا بھی زیادہ تر حصہ شامل تھا۔لیکن رؤف کو اب یہ ڈر پیدا ہو چلا تھا کہ کہیں پی کر وہ بہکنے نہ لگے۔ٹھیک آٹھ بجے وہ پستہ قد آدمی اور وہ لڑکی دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔اس وقت کلب میں کچھ دوسرے لوگ بھی آنے شروع ہو گئے تھے۔بڑے احتیاط سے وہ رؤف اور اس کلرک کی نظریں بچا کر زینے پر اتر گئے، لیکن رؤف کی غافل نگاہیں سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔

ان کے جانے کے بعد وہ بھی اٹھا۔ ''چلو دوست، بہت پی لی۔'' وہ اس کلرک کو سہارا دے کر اٹھاتا ہوا بولا۔ لیکن ابھی انھوں نے قدم باہر بھی نہ نکالا تھا کہ بیک وقت پانچ چھ آدمی ان پر ٹوٹ پڑے۔

رؤف پوری طرح ہوش میں تھا اور اس نے جیسے بھاری ڈیل ڈول کے آدمی کو اس طرح قبضے میں کر لینا بھی آسان نہ تھا۔ اس کے طاقتور گھونسوں نے ان میں سے دو تین کے تو جبڑے توڑ ڈالے البتہ وہ کلرک ایک آدمی کے دو گھونسے کھا کر ہی فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

ٹھیک اسی وقت نیچے سے ایک فیئر ہوا اور وہ سب چونک پڑے۔ ایک لمحے کے لیے ان کی لڑائی رک گئی، لیکن اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رؤف نے دروازے کی طرف کھڑے ہوئے ایک آدمی کو پوری قوت سے دھکیل کر دوسروں پر پھینک دیا اور خود زینے سے اترنے لگا۔ وہ صرف اتنا دیکھ سکا کہ نیچے کسی کی لاش سیڑھیوں کے باہر لڑھکی ہوئی پڑی تھی۔ وہ یقیناً وہی پستہ قد آدمی تھا اور بمشکل ایک منٹ بھی نہ گزرا تھا کہ پولیس کاروں کے سائرن بجتے سنائی دینے لگے۔ جس کے ساتھ ہی گاڑیوں کے بریک لگنے کی آواز آئی اور پھر انسپکٹر شاہ چند سپاہیوں سمیت کلب کی سیڑھیوں پر چڑھتا نظر آیا۔

کلب میں صرف تین آدمی گرفتار ہوئے جو اپنے بیان کے مطابق اس پستہ قد آدمی کے نوکر تھے۔ باقی آدمی کلب کے پچھلے حصے سے ڈبلوسی کی دیوار کود کر نکل گئے۔ بے ہوش کلرک کو ہوش میں لا کر نیچے اتار لیا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

شوہر بالجبر

خان کی کار اس وقت برق رفتاری سے چرچ روڈ پر دوڑ رہی تھی۔ اور بالے پاس والی نشست پر خاموش بیٹھا تھا۔ وہ آگے جانے والی ایک زرد رنگ کی لینڈ و باڈی شیورلیٹ کا پیچھا کر رہے تھے، جس میں ابھی ابھی کلب سے نکل کر وہ اسٹاک ایکسچینج کی سکریٹری بیٹھی تھی۔

''پتا نہیں بھائی عبدالرؤف کا کیا حشر ہوا؟'' بالے نے بیٹھے بیٹھے کہا۔

''وہ اکیلا دو چار کو کافی ہے۔ اس کی فکر نہ کرو۔''

''کم از کم میری قیافہ شناسی کی تو داد دیجیے، کیا براہِ راست قاتل پہچانا ہے۔''

''کیا خاک، اس کا بھی تو مرڈر کر دیا گیا۔''

''یہ خود اسی کی بدنصیبی تھی، ورنہ پھانسی سے پہلے کچھ دن تو پینے کھانے کو ملتے اسے۔''

''یہ کار اس گلی میں کدھر سے داخل ہوئی تھی؟''

''دوسری طرف سے ہی آئی ہوگی، چرچ روڈ کی طرف سے آتی تو میری نظر سے نہ بچتی۔''

''بہت پھرتیلا آدمی ہے۔ پولیس کے سامنے سے گولی چلا کر کار نکال لے گیا۔''

''وہ گیا تو گیا، مگر کم بخت اس سرخ سائے کو بھی ساتھ لیتا گیا۔''

''تمہیں قلق ہو رہا ہے؟''

''ایسا ویسا۔ اس نے سمندر کنارے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔''

Akram Allahabadi

''خودکشی کے لیے چوپاٹی زیادہ موزوں جگہ تھی۔''

''خودکشی کریں خشکے۔بالے صاحب کو خدا چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔''

''جیسی مونجنی میں ملی تھی؟''

''ہائے، کیا زخم پر نمک دان چھڑکا ہے آپ نے۔میں اس کی یاد میں کئی بار آسمان کے تارے گن چکا ہوں۔کل ۵۶ کروڑ ۲۵۰ ہیں۔''

''ریاضی داں سب مر گئے تھے کیا؟''

''آپ شاید نہیں جانتے کہ ہر عاشقِ ناشاد، سو ریاضی دانوں کا پرائم منسٹر ہوا کرتا ہے۔میں ثابت کر سکتا ہوں کہ سب سے پہلے مریخ کا پتا مجنوں نے لگایا تھا۔''

''پھر بک چلے۔''

''تاریخ وجغرافیہ عرض کر رہا ہوں۔''

''وہ گھومی...'' خان نے آگے جانے والی کار کو اگلے چوراہے سے نسبت روڈ کی طرف گھومتے دیکھ کر کہا۔

''کیا آپ نے اس آدمی کی شکل دیکھی تھی؟'' بالے نے پوچھا۔

''اسے اس طرح دیکھ کر پہچاننا مشکل ہے۔بقول برنانڈو، اس کے لباس کی طرح اس کا چہرہ بھی سیاہ تھا۔'' خان نے کہا۔

''آپ آج دن بھر غائب تھے؟'' بالے کا لہجہ سوالیہ تھا۔

''ہُم...'' خان نے اثبات میں مختصر سا جواب دیا۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں، کہاں؟''

''نہیں پوچھ سکتے۔''

''لعنت ہے پوچھنے والے پر۔'' بالے جھنجلا گیا۔

''اس میں کیا شک ہے۔''

Akram Allahabadi

''آخر آپ وائرلیس پر دوسرے اسٹیشنوں کو خبر کیوں نہیں کر دیتے۔'' بالے نے گفتگو کا موضوع بدل کر مشورہ دیا۔

''تم نے نہ دیکھا ہوگا کہ وہ گاڑی اب تک دو نمبر پلیٹیں بدل چکی ہے۔ اس کی اسپینی میں ضرور چیجر لگا ہوگا۔'' خان نے آگے جاتی ہوئی شیورلیٹ کو نگاہ میں رکھتے ہوئے جواب دیا۔

''لیکن گاڑی کی ساخت اور رنگ تو نہ بدلے گا؟''

''ٹھہرو، کیوں نہ ہم خود انھیں ڈاج دے دیں۔'' خان نے گاڑی آہستہ کرتے ہوئے کہا۔ سامنے سے ایک سرمئی رنگ کی ہلمین کار آرہی تھی جسے ہاتھ سے ٹھہرنے کا اشارہ کرتے ہوئے خان نے اپنی گاڑی روک دی۔ یہ کار بھی ابھی اگلی کراس اسٹریٹ سے نکل کر اس طرف گھومی تھی اور یقیناً اس پر اس بلیک مین کی نظر نہ پڑی ہوگی۔ خان نے اس کار کو پہچان لیا تھا اور اسی لیے اس کے ذہن میں یہ نیا خیال پیدا ہوا۔ اس میں بیٹھا ہوا آدمی قسمت سنیما کا مالک ایرانی تھا۔ وہ خان کو دیکھ کر مسکرایا۔

''ہیلو، خان صاحب۔'' اس نے گاڑی قریب لے کر پوچھا۔

''تمہاری گاڑی چاہیے۔ تم میری گاڑی لے جاؤ، آفس پر یا گھر پر چھوڑ دینا۔'' خان نے اپنی کار سے اترتے ہوئے کہا۔ بالے بھی بے چوں چرا اتر آیا۔

''ہاں ہاں، شوق سے۔'' ایرانی نے اپنی کار خالی کر دی اور خان کی کار میں آ بیٹھا۔ وہ ایک دوسرے کے بے تکلف دوست تھے اور یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ خان بسا اوقات اس کی کار استعمال کر چکا تھا اور وہ خان کی۔

''ایرانی سیٹھ، یہ کار اب واپس نہیں ملے گی۔ خان صاحب اسے آج ایک کالا مایا کی بھینٹ چڑھانے والے ہیں۔'' بالے نے بھی خان کے ساتھ بیٹھتے بیٹھتے ایرانی سے کہا۔

''کالا مایا؟'' ایرانی چونکا۔

''لای مائی کاند کر سمجھ لیجیے۔باقی آئندہ۔''

بالے کہتا رہ گیا اور خان نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ایرانی نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں دونوں کندھے جھٹکے اور کان کی کار لے کر چل دیا۔

تقریباً دس منٹ کی برق رفتار دوڑ کے بعد ہی خان نے پھر اس کار کو جا لیا۔وہ اب اوسط رفتار پر آ گئی تھی۔کیوں کہ درمیان میں ایک چوراہے پر ایک ٹرک کے آڑے آ جانے پر خان کی کار اس کی نظروں سے چھپ گئی تھی اور اسی موقع پر گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس سیاہ فام آدمی نے اپنی کار ایک دوسری سڑک پر ڈال دی تھی، جسے دو منٹ میں عبور کرنے کے بعد ہی وہ ایک تیسرے راستے پر نکل پڑا تھا اور پیچھے دیکھنے پر تعاقب کرنے والی کار کے نظر نہ آنے سے وہ شاید کچھ مطمئن ہو گیا تھا۔سرخ سائے والی اینگلو انڈین لڑکی اس کے پاس والی نشست پر خاموش بیٹھی ونڈ اسکرین کے فریم سے منسلک اس آئینے کو دیکھ رہی تھی جس میں سڑک کے پچھلے حصے کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔

اس وقت سڑک دور تک صاف نظر آ رہی تھی، سوائے ایک بھورے رنگ کی ہلمین کار کے جو اوسط رفتار کے ساتھ سڑک کے کنارے کنارے دوڑ رہی تھی۔دونوں کاروں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔

بلیک مین کی کار اب تیزی سے ایک تنگ سی سڑک میں گھومی اور چند گز آگے جا کر جھٹکے سے ایک دو منزلہ سفید عمارت کے پچھلے چھوٹے سے بند دروازے کی سیڑھیوں کے پاس رک گئی۔کار میں سے صرف وہ پراسرار سیاہ فام آدمی ہی اترا اور وہ لڑکی اچک کر ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھی۔

''مکھ سے ۳۰۱ پر کنٹیکٹ کر لینا۔'' یہ کہتا ہوا بلیک مین سیڑھیاں چڑھنے لگا اور لڑکی نے گاڑی گیئر میں ڈال کر آگے بڑھا دی۔بلیک میں نے اپنی جیب سے ایک سیاہ

ریوالور نکالا اور اسکے دستے سے بند دروازے پر تین بار دستک دی جس کے فوراً بعد دروازہ کھل گیا۔دروازہ کھولنے والا ایک قد آور بیرا تھا جو بلیک مین کو دیکھتے ہی ادب سے پیچھے ہٹ گیا۔بلیک مین نے اندر داخل ہوتے دروازہ فوراً بند کرلیا۔

''یہاں کیا حال ہے؟''سیاہ فام آدمی نے بیرے سے پوچھا۔

''سب ٹھیک ہے،باس۔دو نئے شکار بھی آئے ہیں۔''بیرے نے سرگوشی کے لہجے میں بتایا۔

''اچھا،تم جاؤ اور کوئی ادھر آنے نہ پائے۔''بلیک مین نے تحکمانہ لہجے میں بولا۔بیرا حکم سنتے ہی چلا گیا اور بلیک میں ایک نظر ادھر ادھر ڈالتا تیزی سے ایک کمرے کے بند دروازے کے ماسٹر لاک میں چابی گھما کر اسے کھولتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔

آخر دو تین بار ڈاج دے کر خان نے لیڈی تھامپسن روڈ پر اس گاڑی کو گھیر لیا۔اس نے اپنی گاڑی آگے نکال کر اس کے راستے میں اڑا دی جس کی وجہ سے شیورلیٹ کو فوراً بریک مارنا پڑا،لیکن بالے کو دن میں تارے نظر آ گئے جب اس نے زرد شیورلیٹ سے ایک خوب صورت سی لڑکی کو،جو سفید شلوار پر نیلا فراک اور آسمانی دوپٹہ زیب تن کیے تھی،غصے میں بھرے اپنی طرف آتے دیکھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے آکر۔''وہ آتے ہی بالے پر برس پڑی کیوں آگے وہی کار سے اتر رہا تھا۔

''ارے ارے،آپ آدمی ہیں یا مارک آف انٹروگیشن۔نہ سلام نہ دعا،بس چھوٹتے ہی گالی۔''بالے نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔لیکن خان کی نظریں لڑکی کی بجائے اس کار کی طرف تھیں۔اس نے دیکھا کار سے اور کوئی نہیں اترا،پھر نہ جانے کس خیال سے وہ اس کار کی طرف دوڑ پڑا۔قریب جا کر دیکھتے ہی اس کا ماتھا ٹھنک اٹھا۔اس کار میں تو کوئی بھی نہ تھا۔

Akram Allahabadi

کہیں وہ کسی مغالطے کا شکار تو نہیں ہوگیا۔اس عرصے میں وہ لڑکی بالے پر بری طرح بگڑ رہی تھی کہ آخر کسی جوان لڑکی کو اکیلے پا کر اس کا پیچھا کرنا اور اس کی گاڑی روکنا کون سی شرافت ہے۔اور بالے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔اس کا دماغ اس وقت بری طرح چکرا رہا تھا۔وہ ذہنی طور پر تذبذب کا شکار ہو چکا تھا۔اس کے سامنے جو لڑکی اس کار میں اس بلیک مین کے ساتھ بیٹھی تھی، وہ سرخ سایہ پہنے ہوئے تھی اور وہ پہچانی ہوئی حد تک پراسپکٹیو اسٹاک ایکسچینج کے مینجنگ ڈائرکٹر کی سکریٹری ہی تھیں۔ لیکن یہ لڑکی جس کی آنکھوں پر سبز چشمہ اور رخسار پر سیاہ تل کے علاوہ سر پر باریک آسمانی دوپٹا بھی تھا، یہ اس کار میں کہاں سے آ گئی۔اور سچ تو یہ ہے کہ غصے میں قابو سے باہر ہو کر بالے پر بگڑتی ہوئی اس لڑکی نے اسے زیادہ سوچنے کا موقعہ ہی نہیں دیا۔اور خان اس لڑکی کی صرف ایک جھلک اس وقت دیکھ سکا تھا جب بلیک مین اس پستہ قد آدمی پر فائر کرنے کے بعد اسے اپنی کار میں لے کر بھاگا تھا۔لیکن وہ ایک جھلک اتنی کافی نہ تھی کہ وہ اسے پہچان لیتا۔البتہ وہ اس اینگلو انڈین سکریٹری سے کافی مختلف نظر آ رہی تھی جسے وہ ہمالیہ ہاؤس میں دیکھ چکا تھا۔اور اس احساس کے ساتھ اسے بھی یہ سوچنے پر مجبور ہونا پڑا کہ کہیں وہ اور بالے کسی مغالطے کا شکار تو نہیں ہو گئے۔

لڑکی کے شور مچانے سے راہ چلتے کچھ لوگ جمع ہونے شروع ہو گئے تھے اور یہ بات بھی غیر متوقع نہ تھی کہ شہر کے ان دو مشہور اور بااثر سراغ رسانوں کو پہچانے بغیر لوگ اس لڑکی کے اکیلے پن سے ہمدردی محسوس کرتے ہوئے خان اور بالے کو شک و شبے کی نظر سے دیکھنے لگے تھے۔

لڑکی نے اچھل کود کر ایک خاصا جھگڑا کھڑا کر دیا۔اس نے بالے کا ہی گریبان تھام لیا۔''تم بتاؤ، کیوں میرا پیچھا کر رہے تھے؟'' کیوں یہاں سناٹے میں میری گاڑی روکی؟ کیا تمہاری ماں بہنیں نہیں ہیں؟''

اور بالے نے گریبان پر پڑنے والے جھٹکے کے ساتھ محسوس کیا کہ وہ کافی طاقتور بھی ہے۔اس نے صورتِ حال کی نزاکت کے پیشِ نظر بے بسی سے پلٹ کر پیچھے دیکھا، لیکن وہ چونک پڑا، کیوں کہ خان کا کہیں پتا نہ تھا۔وہ اپنی کار بھی وہیں کھڑی چھوڑ گیا تھا۔

''باپ رے، پھنسا گئے۔''وہ زیرِلب بڑبڑایا۔

''اور وہ تمہارا باپ کہاں گیا؟...دوسرا...؟''لڑکی اسے چونکتے دیکھ کر پلٹی، مگر خان کو نہ پا کر اس کا چہرہ پہلے تو ایک لمحے کے لیے پھیکا پڑا، مگر پھر وہ اسی طرح مشتعل نظر آنے لگی۔

''آخر بات کیا تھی، مسٹر؟''مجمع میں سے ایک آدمی جو لڑکی کی ہمدردی میں ضرورت سے زیادہ متاثر نظر آتا تھا، سینہ پھلاتے ہوئے آگے بڑھ کر بالے سے پوچھنے لگا۔

''کوئی خاص بات نہیں۔بریک لگاتے ہوئے گاڑی سلپ ہو گئی تھی۔''

''یہ جھوٹ بولتا ہے۔''لڑکی پیر پٹک کر چیخی۔

''مارو سالے کو۔جوان لونڈیا کے پیچھے لگا تھا۔''مجمع میں سے کوئی چیخا۔

بالے سوچ رہا تھا کہ اس وقت اگر وہ یہ بھی ظاہر کر دے کہ وہ خفیہ پولیس کا ایک ذمہ دار آفیسر ہے تو بھی اس کی گلوخلاصی نہیں ہو سکتی، بلکہ اس طرح تو لوگ اور بھڑک جائیں گے کہ خود پولیس آفیسر ہوتے ہوئے یہ حرکت؟''

''ارے مگر یہ کیا شرافت...؟''بالے نے لڑکی کو سمجھانا چاہا۔

''شٹ اپ، تم غنڈے ہو۔''وہ حلق پھاڑ کر چیخی۔

اچانک بالے کی...کسی نئے خیال سے پھڑک اٹھی۔گریبان کو جھٹکا دینے میں لڑکی کا سر قریب آتے ہی اسے اس کے بالوں سے ایک عجیب سی خوش بو محسوس ہوئی

تھی۔ بالکل پہچانی ہوئی سی اور یہ محسوس کرتے ہی اس کا رویہ اک دم بدل گیا۔

''رضو ڈارلنگ، بس اب اور پاگل پن برداشت نہیں ہوتا تمہارا۔'' بالے نے اپنا لہجہ فوراً بدل کر بڑے درد بھرے انداز میں اسے مخاطب کیا۔

''وہاٹ...؟'' لڑکی حیرت سے تقریباً اچھل پڑی۔

''تم اس طرح مجھ سے لڑ کر بھاگ نہیں سکتیں۔ قانون کے علاوہ خدا کے سامنے بھی تو آخر میں تمہارا شوہر ہوں۔'' بالے زبردستی اس کا ہاتھ تھام کر اسے سمجھانے والے انداز میں بولا۔

''شوہر...!'' کچھ لوگ چونک پڑے اور وہ ہمدرد جو دوسروں سے زیادہ آگے بڑھ آیا تھا، جھجک کر پیچھے ہٹ گیا۔

''نانسنس۔ یہ کوئی نیا فریب۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں، جانِ من۔ میں اب تمہیں کوئی فریب نہیں دوں گا۔ سب کچھ سچ سچ تم سے بتا دیا کروں گا۔ اب تو گھر چلو، خدا کے لیے۔''

''شٹ اپ۔'' لڑکی دونوں پیر پٹک کر چیخی۔

''اب تھوک بھی دو غصہ۔ دیکھو لوگ سڑک پر ہماری عزت اچھلتی دیکھ رہے ہیں۔'' اس بار بالے کا لہجہ اتنا دردناک ہو گیا کہ بعض حساس لوگ تو واقعی چچ چچ کی آوازیں نکال کر اظہارِ افسوس کرنے لگے۔

''یہ... یہ آپ کی وہ... ہیں؟''

''جی ہاں۔ یہ مجھ بدنصیب کی بیوی ہیں۔ زیادہ پڑھ لکھ کر دماغ اتنا خراب ہو گیا ہے کہ بات بات پر لڑ کر بھاگ نکلتی ہیں۔ اب آپ ہی لوگ دیکھیے نا۔'' یہ کہتے کہتے بالے کی آنکھوں سے نکل پڑے اس نے منہ بسور لیا۔

''بری بات ہے، بہن۔'' مجمع میں سے کسی نے اسے سمجھایا۔

''اسی لیے تو بڑے بوڑھے لونڈیوں کو زیادہ پڑھانے لکھانے سے منع کرتے ہیں۔ خدا غارت کرے اس انگریزی و نگریزی کو۔ ستیاناس کر دیا ہے پوری نسل کا۔'' ایک بڑے میاں کی کھانستی آواز مجمع سے سنائی دی۔

''ہاں، دیکھیے نا، چچا جان۔ آپ ہی سمجھایے کچھ انھیں۔'' بالے نے التجا کرنے والے انداز میں کہا۔

''یہ سب جھوٹ ہے۔ یہ سب بکواس ہے۔'' یہ میرا کوئی نہیں ہے۔'' لڑکی چلانے لگی۔

''ان پر جب جنون چڑھتا ہے، یہ یوں ہی بکتی ہیں۔''

''سور، پاجی۔'' لڑکی بے تحاشا بالے کے منہ پر طمانچے مارنے لگی۔

''شوہر کو گالیاں دینے والی عورت کی کبھی بخشش نہیں ہوگی۔ دیکھو، اب بھی مان جاؤ۔'' بالے اسے سمجھانے لگا۔

''ارے یار، ہیجڑا ہے یا مرد۔ شارع عام پر بیوی کے ہاتھ سے جوتے کھا رہا ہے۔'' ایک بھاری آواز مجمع سے کہتی سنائی دی۔ بالے نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ لانگ فیلو بھی اس بھیڑ میں آموجود ہوا تھا۔ اس نے بالے کو فوراً آنکھ ماردی۔

''تم میری غیرت کو للکار رہے ہو۔'' بالے بظاہر پر غضب نگاہوں سے لانگ فیلو کی طرف دیکھ کر گرجا۔

''ارے بھئی جا، اپنا کام کر۔ جب اتنا ہی کم زور تھا تو شادی ہی کیوں کی تھی۔'' اسے لانگ فیلو کا چبھتا ہوا جملہ پھر سنائی دیا۔

''سن لیا میری شرافت کا نتیجہ۔'' وہ لڑکی کی طرف پلٹ کر دانت پیستے ہوئے بولا۔ اور اس کے شبے کو اس حقیقت سے اور تقویت مل رہی تھی کہ ابھی تک لڑکی نے اپنی مدد کے لیے پولیس کو آواز نہیں دی تھی۔ وہ اور دلیر ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے لڑکی کی کلائی

اپنے مضبوط پنجے میں لے لی۔

''اوخدا،تم کتنے حرام زادے ہو۔''لڑکی کسی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اس پر ٹوٹ پڑی۔

''ارے دیکھتا کیا ہے،عورت ہے،تیری ماں تھوڑی ہے۔لے جا زبردستی۔''

لانگ فیلو کی آواز پھر سنائی دی اور اس بار مجمع کے بہت سے لوگوں نے اس کی تائید کی۔

''تم مت بولو جی۔یہ ہمارا گھریلو معاملہ ہے۔''بالے نے گویا لانگ فیلو کو ڈانٹا اور پھر ایک جھٹکا دے کر لڑکی کو اپنی کار کی اگلی نشست پر گرا دیا۔

''دیکھتا ہوں،تو کیسے اپنی ماں کے گھر جاتی ہے اب۔آج سے میں تجھ پر جوتوں سے حکومت کروں گا۔''

''ارے،شاباشے باز بہادر۔''کسی مراد آبادی نے مجمع سے بالے کو شاباشی دی۔لڑکی حلق پھاڑ پھاڑ کر چیختی چلاتی رہی،لیکن مجمع میں سے کوئی بھی اب بالے کے آڑے نہ آیا۔اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کی اور لڑکی کو لے کر چل دیا۔مجمع کے لوگ آپس میں بیسویں صدی کی اولادوں،فیشن پرست والدین اور آزاد لڑکیوں اور سماجی بے حیائی کے تذکرے کرتے،بڑبڑاتے،منتشر ہو گئے۔لانگ فیلو ان سے پہلے ہی کھسک چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

بلیک مین

خان ایک برق رفتار ٹیکسی سے شالیمار کے دروازے پر ہی اترا۔اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو پانچ روپے کا نوٹ دیتے ہوئے باقی پیسے بھی واپس نہ لیے اور تیز تیز قدم اٹھاتا اندر داخل ہوگیا، لیکن ہال میں پہنچتے پہنچتے اس کے انداز رفتار اور بشرے کی کیفیت اعتدال پر آچکی تھی۔وہ ہال میں اس انداز سے داخل ہوا جیسے بس یوں ہی چلا آیا ہو۔ ایک سرسری نظر چاروں طرف دوڑاتے ہوئے وہ ہال کے مشرقی سرے پر بنے ہوئے زینے کے ذریعے ایر کینس پر پہنچ گیا۔یہاں بیٹھ کر نیچے ہال کا منظر صاف نظر آتا تھا۔لیکن اوپر بیٹھنے والے آدمیوں کا نیچے صاف نظر آنا مشکل تھا۔خان نے کیبن میں بیٹھتے بیٹھتے یہ محسوس کرلیا کہ ہال میں کم از کم ایک شخص ایسا ضرور موجود ہے جو چور نظروں سے اسے اوپر چڑھتے دیکھتا رہا ہے۔وہ ایک قد آور بیرا تھا، جو اس وقت ایک میز سے کالی برتن ہٹا رہا تھا۔خان نے بظاہر اس طرف سے اپنی توجہ ہٹالی اور پیچھے سے آنے والے ایک دوسرے بیرے کو کافی کا آرڈر دیتے ہوئے، دوسری کرسی پر پیر پھیلا کر بیٹھ گیا۔مگر اس کی دزدیدہ نظریں اب بھی اس بیرے کی حرکات وسکنات کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اتنے میں اس نے اس بیرے کو ایک میز پر مل رکھتے رکھتے کسی بات پر چونکتے دیکھا۔ بیرے کی نظر ایئر کینس کے عین نیچے ہال کے اندرونی داخلی دروازے کی طرف اٹھ کر جھک گئی تھیں اور صرف اتنی سی حرکت میں وہ کسی کو خبردار رہنے کا اشارہ کر چکا تھا۔خان نے مصلحتاً نگاہیں دوسری طرف پھیر لیں۔

ہال میں اندرونی دروازے سے داخل ہونے والی شخصیت اس کے لیے قطعی اجنبی نہ نکلی۔وہ افسر جنگ تھا، جو بڑی آہستگی، لیکن لاپرواہی سے اندر داخل ہوکر کونے

میں پڑی ہوئی ایک میز سے ملحق کرسی پر بیٹھ گیا۔خان کے لبوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔اور اس کا ہاتھ اندرونی جیب کا جائزہ لینے لگا۔اس نے نیچے جھکتی نگاہوں سے دیکھا وہی بیرا اب دو تین میزوں کا چکر لگا کر افسر جنگ کی میز کی طرف جا رہا تھا۔پھر وہ اس کی میز کے نزدیک پہنچ کر کچھ آرڈر نوٹ کرنے لگا۔اس کے ہلتے ہوئے لب بتا رہے تھے کہ وہ افسر جنگ سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا ہے۔

''کون ہے؟'' افسر جنگ بیرے سے آنکھ کے اشارے سے پوچھ رہا تھا۔ کیوں کہ اسی وقت ایک دوسرا بیرا قریب کی میز پر آ کھڑا ہوا تھا۔

''میں ٹھیک سے پہچان تو نہیں سکا ہوں، لیکن مجھے تو سی آئی ڈی کا ہی کوئی آفیسر معلوم ہوتا ہے۔'' بیرے نے پنسل سے اپنی نوٹ بک پر لکھا اور پھر سلپ پھاڑ کر افسر جنگ کے سامنے رکھ دی۔

''ہاں ہاں، ٹھیک ہے ٹھیک ہے، سب لے آؤ۔'' افسر جنگ نے بلند آواز سے کہا۔اور بیرے نے وہ سلپ اپنی جیب میں ڈال لی۔وہ میز کے نزدیک سے ہٹ آیا، لیکن اسے کیا خبر تھی کہ وہ سی آئی ڈی کا آفیسر جس کا وہ ابھی ابھی ذکر کر چکا تھا، اپنا فیلٹ ہیٹ خالی کرسی کی پشت کے کونے کی اٹھی ہوئی لکڑی سے ٹانگ کر اپنی جگہ سے غائب ہو چکا ہے۔اسے تو وہ اب بھی وہیں بیٹھا نظر آ رہا تھا۔بیرا ایک طائرانہ نظر اوپر ڈالتا ہوا ہال سے نکل کر باورچی کانے والے کاریڈور میں گھوم گیا۔یہاں دیوار گیر مدھم روشنی میں ماحول نیم تاریک سا تھا اور دس قدم پر موڑ کے بعد باورچی خانہ تھا۔

بیرا جیسے ہی باورچی خانے کی طرف گھومنے لگا، دیوار کی آڑ سے ایک ہاتھ نکلا جو سیدھا اس کی جیب میں چلا گیا اور دوسرے ہاتھ کا بندھا ہوا گھونسا اس کی ناک پر پڑا۔ وہ ٹرے سمیت فرش پر آ رہا۔دوسرا گھونسا برداشت کرنے کی نوبت ہی نہ آئی۔چوٹ کنپٹی پر پڑی تھی اور وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔اس کے بعد دیوار کی اوٹ سے خان نے نکل کر

جیب سے ایک سفید شیشی نکالتے ہوئے اس کی مشکیں کس دیں اور اسے گھسیٹ کر قریب کے باتھ روم میں ڈال کر دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ اب وہ تیزی سے ہال کی طرف لپکا، لیکن ہال میں پہنچتے ہی اس نے دیکھا افسر جنگ کی میز کالی پڑی تھی۔ وہ ہوٹل میں موجود لوگوں کو غرقِ حیرت چھوڑ کر صدر دروازے کی طرف بھاگا، لیکن اس وقت اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی جب اس نے دیکھا کہ افسر جنگ کو باہر کی سیڑھیوں پر ہی میجر قادر نے روک لیا تھا۔ وہ اسے مجبور کر رہے تھے کہ وہ ان کے ساتھ کم از کم کافی ہی پی کر جائے اور افسر جنگ کہہ رہا تھا کہ اسے بہت ضروری کام سے جانا ہے۔ اتنے میں خان بھی قریب پہنچ گیا۔ خان کی شکل دیکھتے ہی افسر جنگ کا چہرہ ایک لمحے کے لیے زرد پڑ گیا۔ مگر فوراً ہی اس نے اپنی اس کیفیت پر قابو پا لیا۔

''ہیلو، خان صاحب۔'' وہ خود ہی بولا۔

''اوہ... آپ۔'' خان نے اسے اتفاقیہ ملاقات ظاہر کرتے ہوئے چونک کر کہا۔ اور افسر جنگ نے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ لیکن دوسرے لمحے اس کے ہاتھ میں قانون کی فولادی ہتھکڑی پڑی ہوئی تھی۔

''یہ... یہ کیا مذاق ہے؟ میں ایک باعزت شہری ہوں۔'' افسر جنگ نے مصنوعی غصے کے ساتھ احتجاج کیا۔

''آپ کی وہ عزت تو عدالت میں نیلام ہوگی۔ سردست شاہی مہمان کا نہ بلیک مین کا منتظر ہے۔''

''بلیک مین؟'' میجر قادر چونکا۔ ''تو کیا یہی...''

''جی۔ ورنہ میں ان کی ہسٹری جاننے کے لیے یہ تحقیق نہ کرتا کہ پی ڈبلیو ڈی سے یہ رشوت خوری کے جرم میں نکالے گئے تھے۔ ان کی سات پشتوں میں کوئی حیدرآباد کا نواب نہیں گزرا ہے۔ یہ وہاں نارائن گوڑھ دہشت کے ایجنٹ تھے۔ اور...''

''یہ سب جھوٹ ہے۔مسٹر خان، آپ کو میری بے عزتی کرنے کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔کیوں کہ آپ مجھے سینکڑوں آدمیوں میں ذلیل کر رہے ہیں۔'' افسر جنگ پیچھے پلٹ کر ہوٹل کے دروازے تک آئے ہوئے ہوٹل کے گاہکوں کے مجمع کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''یقیناً یقیناً۔'' خان طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔''اور یہ بھی جھوٹ ہوگا کہ شہر کا وہ خوف ناک بلیک مین جسے یہاں کے بڑے بڑے جوئے بازار اپنا نامعلوم باس تسلیم کرتے ہیں ایک بزدل اور مکار آدمی ہے جس نے سوسائٹی میں عزت کا جامہ پہن رکھا ہے۔''

''میرا وارنٹ گرفتاری دکھائے بغیر آپ مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔'' افسر جنگ نے پھر احتجاج کیا۔

''مجھے اس قدر اختیارات حاصل ہیں کہ میں آپ جیسے مہذب بدمعاشوں کی سرکوبی ہر وقت کرسکوں۔'' خان اسے باہر کھڑی ہوئی میجر قادر کی کار کی طرف دھکیلتے ہوئے بولا۔

''آپ کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے میرے لیے۔'' افسر جنگ نے کار میں بیٹھتے ہوئے پھر احتجاج کیا۔

''آخر رہی ناکتے کی دم ٹیڑھی کی ٹیڑھی، بیٹے بلیک مین۔ مابدولت ثبوت کی والدہ اپنے ساتھ لائے ہیں۔'' داہنی طرف سے بالے کی آواز آئی۔وہ ابھی ابھی خان کی کار سے اترا تھا اور اس لڑکی کو دھکیلتا ہوا خان کی طرف لا رہا تھا، جس کے ہاتھ اس نے پشت پر باندھ دیے تھے۔

''آئی ایم ساری، ڈارلنگ۔محبت میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔'' بالے اسے خان کے سامنے کرتے ہوئے بولا۔اس لڑکی کو دیکھتے ہی افسر جنگ کے چہرے کا رنگ

Akram Allahabadi

زرد پڑ گیا۔اور یہی کیفیت اس لڑکی کی ہوئی۔

''تو یہ لڑکی؟'' خان نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے اس کی آنکھ پر سے سبز چشمہ اتار لیا۔اس کے رخسار کا تل پہلے ہی بگڑ چکا تھا۔

''آپ اگر اس کی شلوار کو غور سے دیکھیں تو اس کے اندر سرخ سایہ بھی موجود ہے۔''

''اور میرا خیال ہے کہ ذرا سے میک اپ کے بعد یہ تمہاری مفرور بیوی بھی بن سکتی ہے۔'' خان نے اسے پھر گاڑی میں پیچھے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔اب وہ افسر جنگ کو بھی اپنی کار کی طرف لے آیا تھا۔

''کیا مرفایا آپ نے؟...لاحول ولاقوۃ...فرمایا؟'' بالے اپنی آنکھوں کے دیدے گھما کر حیرت سے بولا۔

''اس کا چہرہ سانولا کر کے آنکھوں کے دونوں سروں پر دو ڈورے کھینچ دو اور بال بنگالی لڑکیوں کی طرح بنا دو، پھر شاید پہنچان لو گے۔''

''ہائے...مائی ڈارلنگ۔مس بنگال...وہ ہمارے خسر صاحب کہاں ہیں؟'' بالے نے لڑکی کی طرف پلٹ کر پوچھا۔''واللہ، اب تک میں نے یہ سوچا بھی نہ تھا۔''

لیکن خسر کا لفظ سنتے ہی خان کو کچھ یاد آ گیا۔

''ارے بالے، جلدی اندر جاؤ۔ہال کے بعد باورچی خانے کے کاریڈور میں جو غسل خانہ ہے، اس میں تمہارے خسر صاحب بیرے کے لباس میں بندھے پڑے ہیں۔انھیں بھی لیتے آؤ۔'' خان نے بالے کو ہدایت کی۔

''چچ چچ...بڑا ظلم کرتے ہیں آپ۔میری بیوی کیا کہے گی کہ اس کے باپ کو...''

''شٹ اپ، وقت نہیں ہے ابھی۔''

''وہ اپنے باپ کو خواہ وہ فرضی ہو یا پیدل، ہرگز شٹ اپ نہیں کہہ سکتی۔''
بالے نے منہ بنا کر گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

اور بمشکل پانچ منٹ میں وہ اندر جا کر لوٹ بھی آیا۔ وہ بیرا اس کے ساتھ تھا۔ اس کے ہاتھ پشت پر اب بھی بندھے تھے، مگر وہ اب ہوش میں آچکا تھا اور بالے اسے دھکیلتا لا رہا تھا۔ خان نے میجر قادر کا شکریہ ادا کیا اور ان تینوں کو اپنی کار میں لے کر روانہ ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

راؤنڈ اپ

''مگر فارچون ہاؤس کا حشر کا ہوا؟'' بالے نے بیٹھے بیٹھے خان سے پوچھا۔

''اب تک وہاں بھی گرفتاریاں ہو چکی ہونگی۔ افسر جنگ کے آدمی سمجھے تھے کہ مسلسل تین چھاپے مار کر معذرت کرنے کے بعد پولیس اب ادھر کا رخ نہ کرے گی، لیکن جس طریقے سے آج میں نے چھاپا مارا ہے، وہ انھیں کسی بل میں بھی چھپنے کا موقع نہ دے گا۔''

''میں نہیں سمجھا۔'' بالے نے اپنے دونوں کان اینٹھ کر کہا۔

''میجر قادر کی مدد سے میں نے پی ڈبلیو ڈی کے ہیڈ ڈرافسٹ مین سے شہری زمین دوز بڑی گٹروں کے پرانے اور نئے نقشے حاصل کر لیے تھے۔ پرانا پلان اسی افسر جنگ کی زیرِ نگرانی عمل میں لایا گیا تھا اور اس نقشے کے مطابق شہر کی ایک مین گٹر ٹھیک فارچون ہاؤس کی پچھلی دیوار سے لگ کر گزری تھی۔ بعد میں خود اس نے اس پلان کو مسترد کرا کے دوسری گٹر تعمیر کرانے کی تجویز پیش کی اور اسی سلسلے میں رشوت ستانی اور سرکاری روپے کے ناجائز استعمال کے الزام میں نوکری سے نکال دیا گیا۔''

''تو وہ گٹر اب بھی موجود ہیں وہاں؟''

''ہاں۔ لیکن ایک چوڑی سرنگ کی طرح خشک۔ نئے پلان کی گٹروں کے تعمیر کے بعد اسے استعمال نہیں کیا گیا۔''

''تو یعنی کہ ڈیسوزا صاحب...؟''

''ہاں۔ اسی راستے سے ان لوگوں نے چھاپا مارا ہے۔ پرانے نقشے کے مطابو یہ گٹر خود افسر جنگ کے بنگلے اور ایک غیر آباد سرائے کے نزدیک سے ہو کر گزرتی ہوئی شہر

کے باہر لچھمڑی کے ڈھلوان پر ختم ہوتی ہے۔اوران تینوں مقامات پر یہ گٹر زمین دوز راستوں سے ان مکانات سے ملحق کردی گئی ہے۔'' خان نے بالے کو بتایا۔ ان کی یہ گفتگو خود افسر جنگ بھی سن رہا تھا۔لیکن وہ دونوں اب تک خاموش تھے۔وہ بیرا البتہ اپنے ہاتھوں کی جھنجھلاہٹ لڑا لڑا کر انھیں توڑنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

''اس سے پہلے کہ تم میں سے کوئی چلتی گاڑی سے کودنے کی کوشش کرے میں اسے گولی سے مار دوں گا۔'' خان نے ڈیش بورڈ کے آئینے میں پیچھے کے حالات دیکھتے ہوئے انھیں وارننگ دی اور وہ سہم کر پیچھے بیٹھ گئے۔

''تو اس دن یہ لوگ وہیں سے غائب ہو گئے تھے؟'' بالے نے حیرت کا اظہار کیا۔

''اور اتنی دیر سے کیا جھک مار رہا ہوں۔'' خان نے جھنجلا کر کہا۔

''مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ کیا مار رہے ہیں؟'' بالے نے معصومیت سے کہا اور خان کو ہنسی آ گئی۔

''اور بے چاری برنانڈو؟'' بالے کو اچانک یاد آ گیا۔

''ارے، تو تم اب تک نہیں پہچانے؟'' خان نے اس کے سر پر چپت جماتے ہوئے کہا۔

''کیا روح آئی ہے اس کی؟'' بالے نے چاروں طرف دیکھا۔

''اُلو، میں اسی دن پہچان گیا تھا، جب تم اس سے پراسپکٹیو اسٹاک ایکسچینج کے دفتر میں گفتگو کر رہے تھے۔''

''تو کیا وہی...؟'' بالے حیرت سے تقریباً اچھل پڑا اور پھر اس نے پیچھے گھوم کر دیکھا۔وہ لڑکی اب اپنے گھٹنوں میں سر ڈالے سسکیاں بھر رہی تھی۔

''بے چارہ برنانڈو تو اس کے چہرے کا صرف ایک رخ ہی دیکھ سکا تھا۔''

Akram Allahabadi

''اس کے باقی تین چہرے مثلاً بنگالی لڑکی، پنجابی لڑکی اور سکریٹری، سے وہ ناواقف تھا۔'' خان کہہ رہا تھا۔

''اس مکار عورت نے پہلے ہی افسر جنگ سے دوستی گانٹھ لی تھی اور جوئے میں بیوی کو بازی پر لگانے کا تو صرف بہانہ بنایا گیا تھا تا کہ اس طرح برنانڈو اسے خود اپنی غلطی کا نتیجہ سمجھ کر خاموش ہو رہے۔ لیکن برنانڈو نے صبر نہ کیا اور مارا گیا۔''

''مگر برنانڈو کی موت کے دن تو یہ ہوٹل میں بنگالی...'' بالے نے کہنا چاہا۔

''یہ اس سے بھی پہلے بلیک مین کے لیے کام کرنے لگی تھی۔ کسی زمانے میں یہ افسر جنگ کے دفتر میں ہی اسٹینوگرافر رہ چکی تھی۔ برنانڈو کی اغوا شدہ بیوی کی تصویر دیکھتے ہی ہیڈ ڈرافٹس مین نے مجھے بتا دیا تھا۔''

''تو آپ چپکے چپکے ہی سارا بھانڈا پھوڑ ڈالتے ہیں؟'' بالے نے احتجاج کیا۔

''نہیں تو تمہیں بتا دوں تا کہ تم پہلے سے ڈھول پیٹ پیٹ کر سارا کام بگاڑ دو۔''

''بالے صاحب عقل مند واقع ہوئے ہیں، لیکن... لیکن، باس... وہ فارچون ہاؤس کی دوسری منزل والا گردش کرتا کمرہ کیا ہوا؟''

''تم چھت پر جا کر دیکھ چکے ہو، وہ صرف ایک الیکٹرک موٹر کی کارستانی تھی۔ اور اس رات ہمارے آدمیوں کو بے ہوش بھی تھٹن پیدا کرنے والی ایک ایسی گیس سے کیا گیا تھا جو جنریٹر کے ذریعے پیدا کی گئی تھی۔'' خان نے بتایا۔

اتنی دیر میں ان کی کار سینٹرل پولیس اسٹیشن پر پہنچ گئی اور بالے کی آنکھیں یہ دیکھ کر پھیل گئیں کہ واقعی وہاں ڈیسوزا، رؤف، ابراہیم اور انسپکٹر شاہ گرفتار شدہ آدمیوں کی ایک قطار لیے موجود تھے، مگر ان میں بشو سین اور ان کا اسٹاف نہ تھا۔

''مانتا ہوں، باس۔'' بالے نے سنجیدگی سے اپنے کان تھام لیے اور خان صرف مسکرا کر رہ گئے۔

☆☆☆ **ختم شد** ☆☆☆

Akram Allahabadi